نئے دور کے شعراء میں جناب اثر زبیری کا نام تعارف کا محتاج نہیں، وہ گو نئے دور کے شاعر ہیں، اور ان کو تغزل اور نئے طرز شاعری، دونوں پر پوری قدرت حاصل ہے، لیکن انھون نے اپنی شاعری کا موضوع مذہب، خصوصاً صحابۂ کرامؓ کی مدح کو بنایا ہے، زیر نظر کتاب انھی نظمون کا مجموعہ ہے، اس میں اہل بیت کرام، ازواج مطہرات، خلفائے راشدین اور دوسرے اکابر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مناقب فضائل، ان کے اسوۂ حسنہ اور عہد خلافتِ راشدہ کے کارنامون اور دوسرے مختلف مذہبی اور ملی موضوعون پر موثر، دلپذیر اور سبق آموز نظمیں ہین، فضائل و مناقب کے بیان مین اعتدال اور تاریخی واقعات مین صحت کا پورا لحاظ رکھا گیا ہے، اور شاعر کی قادر الکلامی کی وجہ سے خشک تاریخی واقعات مین بھی لطف زبان و بیان مین فرق نہین آنے پایا ہے، یہ نظمین خیالات و جذبات اور تاریخی حیثیت سے پڑھنے اور بچون کو یاد کرانے کے قابل ہین،

من کیستم، مؤلفہ جناب مرزا محمد عسکری صاحب تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۳۰ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت معلوم نہین، پتہ :- غالباً مصنف محمود نگر، لکھنؤ سے ملیگی،

ہماری زبان کے مشہور اور کہنہ مشق ادیب جناب مرزا محمد عسکری نے اپنے کم سن پوتے کی یاد کے لئے اس کتاب مین اپنے مختصر خاندانی حالات لکھے ہین، اور گلدستۂ احباب کے عنوان سے اپنے احباب خاص کا تذکرہ کیا ہے، اگر مصنف نے اس کتاب مین ذرا اور تفصیل سے کام لیا ہوتا، اور ضمناً لکھنو کی ادبی صحبتون کے حالات بھی لکھ دئے ہوتے، تو ان کے قلم سے ایک اچھی ادبی یادگار ہو جاتی، اس ادبی پیاس نہین بجھتی تاہم خود مصنف کے قلم سے ان کا تذکرہ قلم بند ہو گیا، امید ہے کہ مرزا صاحب کے قدر دانون مین یہ مختصر ادبی تحفہ مقبول ہوگا،

"م"

جلد ۵۲ ماہ ذی قعدہ ۱۳۶۲ھ مطابق ماہ نومبر ۱۹۴۳ء عدد ۳

مضامین

خط و کتابت کیلئے

ضروری اطلاع

معارف کے مضامین اور علمی استفسارات اور ان کے متعلق جملہ خط و کتابت شخصی نام کے بجائے صرف اڈیٹر معارف کے پتہ سے اور معارف اور دار المصنفین کے انتظامات اور فرمایشات کے متعلق منیجر صاحب دار المصنفین کے نام کی جائے، ان تمام امور کے متعلق میرے نام خط لکھنے سے تعمیل مین دقت ہوتی ہے امید ہے کہ احباب مجھے زحمت سے بچانے کیلئے اس کا خاص طور سے خیال فرمائین گے،

(سید سلیمان ندوی)

شذرات

ہم کو یہ سن کر تعجب ہوا کہ ایچ جی ولز کی مشہور مختصر تاریخ عالم (SHORT HISTORY OF THE WORLD) الہ آباد یونیورسٹی کے بی اے کے اختیاری نصاب میں داخل ہے، یہ کتاب اتنی ملحدانہ ہے کہ اس کو امریکہ کے پادریوں نے برسرعام جلوا دیا تھا، اور وہان کے بعض علاقوں مین اسکی اشاعت ممنوع ہے، الہ آباد یونیورسٹی کی یہ روشن خیالی قابل داد ہے کہ جو کتاب اپنے ملحدانہ خیالات کی وجہ سے امریکہ تک میں جلائی جا چکی ہو، اس کو اس نے اپنے نصاب مین جگہ دی، اس مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ایسے ناشایستہ الفاظ استعمال کئے گئے ہین جنھین کوئی مسلمان پڑھنا کیا سننا تک گوارا نہین کر سکتا، اس کے خلاف لندن اور ہندوستان کے مسلمان احتجاج بھی کر چکے ہین، الہ آباد یونیورسٹی مین مسلمان طلبہ بھی پڑھتے ہین ان پر اس کا کیا اثر پڑیگا، یہ عذر صحیح نہ ہوگا، کہ یہ کتاب اختیاری نصاب مین ہے، مسلمان طلبہ اس کے بجائے دوسری کتاب لے سکتے ہین، اختیاری اور لازمی کسی نصاب مین بھی کوئی ایسی کتاب نہ ہونی چاہئے، جس سے کسی فرقہ کی دل آزاری ہوتی ہو اس سے ان کے خیالات اور جذبات پر برا اثر پڑتا ہے، اور اس کے برے نتائج نکلتے ہین، اس لئے الہ آباد یونیورسٹی کے لائق وائس چانسلر مسٹر جھا سے ہماری درخواست ہے کہ وہ اس کتاب کو نصاب سے خارج کر دین،

سلطان ابن سعود کے صاحبزادے امیر فیصل آج کل امریکہ کی سیاحت مین مشغول ہین، پانیر کی اطلاع ہے کہ ان کے قیام نیویارک کے دوران مین امریکہ کے عیسائی عربون کا ایک وفد شمالی و جنوبی امریکہ کے یونانی کیتھولک چرچ کے اسقف اعظم کی قیادت مین عربی ممالک کے یونانی کیتھولک چرچ کے نمایندہ کی حیثیت سے، امیر فیصل کی خدمت مین باریاب ہوا، اسقف اعظم نے آرتھوڈکس کلیسا اور مسلمانون کے خوشگوار تعلقات کا حوالہ دیتے ہوئے

اس کا اعتراف کیا کہ یونانی کیتھولک عیسائی مختلف اسلامی ملکون مین مسلمانون کے سایۂ عاطفت مین پوری آزادی کی زندگی بسر کر رہے ہین، اور جن یونانیون نے اپنے مصیبت زدہ ملک کو چھوڑ کر اسلامی ملکون مین سکونت اختیار کی ہے، انھون نے بھی انکو اپنی حفاظت اور امن و امان کا مامن و ملجا پایا" یہ وہی عیسائی ہین جو ہمیشہ اسلامی حکومتون کی مخالفت اور ان کے خلاف سازشیں کرتے چلے آرہے تھے، یہ اعتراف اس کا ثبوت ہے، کہ آج بھی جب کہ ترقی یافتہ ملکون مین دوسری قومون و مذاہب کے ساتھ فرق و امتیاز کا سلوک کیا جاتا ہے، اسلامی ملکون مین نہ صرف وہان کے عیسائیون کو پوری آزادی حاصل ہے، اور وہ ان کے سایہ مین امن و امان کی زندگی بسر کر رہے ہین، بلکہ ان یورپین اقوام کو بھی جو خود اپنی قوم اور اپنے مذہب والون کے ہاتھون بے خانمان ہوگئے ہین، اسلامی ملکون کے سایۂ عاطفت مین پناہ مل رہی ہے،

نیویارک ٹائمس کے وسیلہ سے پانیر رقمطراز ہے کہ جرمنوں نے رائل سوسائٹی نیپلز کے عظیم الشان اور قیمتی کتب خانہ میں جس میں دو لاکھ کتابین تھین، اور نیپلز یونیورسٹی کی قدیم سرکاری دستاویزون کے دفتر مین جان بوجھ کر آگ لگادی، اور دو لاکھ کتابیں جل کر خاک کا ڈھیر ہوگئیں، مسلمانون کی وحشت اور بربریت کے ثبوت میں ان کے ہاتھوں کتب خانہ اسکندریہ کے جلائے جانے کی جھوٹی داستان کی ایک عرصہ تک تشہیر ہوتی رہی، خیر وہ تو مخالفین کے قول کے مطابق دور وحشت کی بات تھی، اس روشنی ترقی اور علم پروری کے دور مین ایک ترقی یافتہ قوم کے ہاتھون نیپلز کے کتبخانہ کے نذر آتش ہونے کو معلوم نہین کس چیز سے تعبیر کیا جائے گا، تمدن کے انتہائی عروج کی سرحدین بھی بالآخر وحشت و بربریت سے ملجاتی ہین،

اسی اخبار نے ۱۴ اکتوبر کی اشاعت مین لندن کی یہ خبر شائع کی ہے کہ آرچ بشپ آف یارک ڈاکٹر گارنٹ (Garnette) نے اپنے سفر روس کے تاثرات بیان کرتے ہوئے کہا کہ "روس کے کلیساؤن مین

عبادت کی پوری آزادی حاصل ہے، اور وہاں مذہب کے خلاف پروپیگنڈے کا کلیۃً خاتمہ ہو چکا ہے، اور گو وہاں منکرِ خدا سوسائٹیاں اب تک قائم ہیں، اور سلطنت کا مذہب لامذہبی ہے، اور مذہبی تبلیغ کی اجازت نہیں ہے، لیکن رواداری کی روح بیدار ہو چکی ہے، یہ وہی روس ہے، جہاں خدا کا نام لینا جرم تھا، لیکن ع

جب دیا رنج بتوں نے تو خدا یاد آیا

زمانہ کی ایک ہی گردش نے مذہب کی ساری مخالفت ختم کر دی گو حکومت کا اب تک کوئی مذہب نہیں ہے لیکن کیا عجب ہے کہ زمانہ کی کوئی اور گردش حکومت کو بھی خدا کے سامنے جھکنے پر مجبور کر دے، خود فراموش انسانوں نے بارہا خدا سے بغاوت کی، لیکن بالآخر اسے مجبور ہو کر اس کی کبریائی کے سامنے سرِ عبودیت جھکانا پڑا،

دار المصنفین کی دو نئی کتابیں حیاتِ شبلی اور دولتِ عثمانیہ جلد دوم چھپ کر تیار ہو گئی ہیں، حیاتِ شبلی کے مباحث سے آگاہی کے لئے اس پرچہ میں اس کا دیباچہ اور مضامین کی فہرست شائع کی جا رہی ہے، دولتِ عثمانیہ کا یہ حصہ سلطان محمد ثانی کے عہد ۱۸۰۸ء سے جنگِ عظیم کے خاتمہ ۱۹۱۹ء تک کے حالات پر مشتمل ہے، تیسرا حصہ جدید ترکی پر ہوگا، رحمتِ عالم کا ہندی ترجمہ بھی چھپ گیا ہے، اس سے ہندی خوانوں کے ہاتھوں میں ایک مختصر آسان اور مستند سیرتِ نبوی پہنچ جائیگی، اور رحمتِ عالم کی طرح اللہ تعالیٰ اسے بھی حسنِ قبول عطا فرمائے،

ظفر الملک صاحب علوی کو ندوہ کے تخریبی ہنگاموں سے بڑی دلچسپی ہے، اس کی مشہور بڑی اسٹرائک کے زمانہ میں بھی انھوں نے پورا فیاضانہ حصہ لیا تھا، اب تیس برس کی خاموشی کے بعد پھر وہ میدان میں اُترے ہیں، اس سلسلہ میں انھوں نے دار المصنفین کی طرف بھی توجہ فرمائی ہے اور اس کے متعلق کچھ خیالات پریشان ظاہر کئے ہیں، لیکن وہ اس درجہ لغو اور صداقت سے دور ہیں کہ ان کا جواب دینا بھی اضاعتِ وقت ہے،

مقالات

حیاتِ شبلی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیشِ نظر کتاب ایک ایسی ہستی کے اوراقِ سوانح ہیں جس نے بتیس برس ۱۸۸۲ء سے ۱۹۱۴ء تک ہندوستان اور ہندوستان سے باہر کی اسلامی دنیا کو اپنے قلم کی روانی سے سیراب، اپنی شعلہ نفسیوں سے گرم اور اپنی نواسنجیوں سے پرشور رکھا،

سالہا گوشِ جہان زمزمہ زا خواہد بود — زین نواہا کہ درین گنبدِ گردون زدہ است[1]

سوانح کے ذرائعِ علم

خاکسار نے استاد مرحوم کی صحبت و تربیت میں آٹھ برس ۱۹۰۵ء سے ۱۹۱۲ء تک مسلسل گذارے اور دو برس اس طرح کہ جسم کہیں اور رہا، مگر روح ہمیشہ اُن کے ساتھ رہی، یہ دس برس درحقیقت ان کی بتیس برس کی علمی و قومی زندگی کے سب سے معروف ایام تھے، بلکہ انہی کو ان کی ستاون برس کی زندگی کا حاصل کہا جا سکتا ہے، خود انہی کا شعر ہے،

ساغرِ زندگیم حیف کہ جز دُرد نداشت — جز ہمین جرعۂ آخر کہ بپایان زدہ ام

ان کے اس معروف ترین حصۂ زندگی کے اکثر لمحات میری نظر کے سامنے گذرے ہیں، اس لئے اُن کے ما لہٗ و ما علیہ سے بحدِ بشری مجھے پوری واقفیت ہے اور اس واقفیت نے اس کتاب کی تالیف میں مدد دی،

---

[1] مولانا کا شعر ہے، اصل میں زدہ ام ہے،

مولانا کے خاندانی اور ابتدائی زندگی کے واقعات، ان کے اعزہ و احباب اور ان کے ابتدائی شاگردوں سے پوچھے اور سُنے، تعلیمی حالات خود مولانا کی زبان سے وقتاً فوقتاً سنتا رہا، علی گڈھ کے قیام کے واقعات کا بڑا حصہ علی گڈھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ کے پُرانے اوراق سے بہم پہنچا، اور ان کی پوری زندگی کا خاکہ اُن کے مکاتیب کے مرقع میں باسانی مل گیا،

دانائے راز کارساز کی کارسازی کے قُربان کہ راقم الحروف کو مولانا کی زندگی ہی میں ۱۹۱۰ء میں ان کے خطوط و مکاتیب کے جمع کرنے کا خیال آیا، اور اس وقت اس کا مقصد خطوط کے علمی و ادبی ذخیرہ کی حفاظت کے سوا کچھ اور نہ تھا، لیکن ان کی وفات کے بعد ان کی سوانحعمری کا خیال آیا، تو نظر آیا کہ گویا اللہ تعالیٰ نے ان مکاتیب کی تالیف و اشاعت کے ذریعہ درحقیقت صاحب مکاتیب کے سوانح زندگی کے ذخیرہ کو میرے ہاتھوں بلاقصد و ارادہ پہلے ہی سے محفوظ کرا دیا تھا، اسی طرح مولانا کے سوانح کی تالیف، واقعات کی ترتیب اور تاریخوں کے تعین میں مکاتیب کی یہ دونوں جلدیں بے حد کارآمد ہوئیں، اور اسی لئے سوانح، واقعات کے ذکر میں مکاتیب کے ہر خط کا حوالہ نمبر اور تاریخ کے تعین کے ساتھ دیا گیا ہے، تاکہ ہر شخص بہ آسانی واقعہ کی تحقیق کر سکے، اور اس نظر سے دیکھئے تو معلوم ہوگا، کہ یہ حیاتِ شبلی درحقیقت مولانا شبلی کی خود نوشت سوانحعمری ہے،

بڑی تسکین اس سے ہوئی کہ بحمد اللہ اس وقت ہمارے درمیان مولانا کے ایک حبیب مکرم، اور ان کی زندگی کے اکثر واقعات کے شریک و مشیر و ہمدم، جناب نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن خان شروانی موجود ہیں جن سے واقعات کی تحقیق میں مدد ملی، اسی طرح مولانا کے علی گڈھ کے پُرانے دوست میر ولایت حسین صاحب سے قیامِ علی گڈھ اور تعلقاتِ سرسید کے واقعات کی تفتیش کی گئی، اور انھوں نے مہربانی فرما کر کچھ واقعات لکھ کر بھی بھیجے،

مولانا کی زندگی میں ان کی سوانحعمری کا خیال

میری ابھی دیکھئے کہ مولانا کی زندگی میں کبھی یہ وہم بھی نہیں آیا کہ یہ ہستی استقدر جلد ہمارے درمیان سے اٹھ جائے گی، اس لئے کہ ان کے سوانحِ حیات کے قلم بند کرنے کا

خیال بھی نہیں ہوا، البتہ بعض دوسرے لوگوں کو اخیر زمانہ میں ادھر توجہ ہوئی، لیکن ان کے جواب میں مولانا نے کسی کو اپنے حالات کی مختصر سی کھتونی لکھ کر بھیجدی، اور کسی کو کچھ کہہ کے ٹال دیا، چنانچہ رسالہ ادیب الہ آباد کے اڈیٹر شاکر صاحب میرٹھی نے اپنے رسالہ میں چھاپنے کے لئے کچھ حالات لکھ کر مانگے تو جواب میں لکھا:

"یہ بالکل ناممکن ہے، کہ میں اپنے حالات خود لکھ سکوں، مسلم ریویو میں ایک صاحب نے کچھ واقعات لکھے تھے[1] آپ لے سکتے ہیں، اس کے سوا سید سلیمان پروفیسر ندوہ کو آپ بتاکید لکھیں تو وہ بہت کچھ لکھ سکتے ہیں۔"

(مکاتیب اوّل، مکتوب الیہ نمبر ۳۵)

لیکن نہ مجھے لکھا گیا اور نہ میں نے لکھا،

مسلم ریویو الہ آباد کے جس مضمون کا حوالہ ہے، وہ غازی پور کے مشہور خاندان کے ممتاز فرد شاہ منیر عالم صاحب مرحوم کا لکھا ہوا ہے، جو انگریزی کے اچھے انشاپرداز تھے، اور مولانا سے شخصی طور پر واقف تھے، یہ مضمون اگست ۱۹۱۲ء کے رسالہ مسلم ریویو الہ آباد میں چھپا تھا، اس مضمون کے لئے مختصر حالات خود مولانا نے لکھوا دیئے تھے، جو تعلیم و سفر و قیام علی گڈھ کے چند سرسری واقعات پر مشتمل ہیں،

۱۹۱۲ء میں سید محمد فاروق صاحب شاہ پوری نے کچھ حالات دریافت کئے تو ایک ایک دو دو سطروں میں کچھ اپنی تعلیم، کچھ قیام علی گڈھ اور کچھ اپنی تالیفات و آثار کا حال لکھ کر دو صفحوں میں خط کو تمام کر دیا، اور آخر میں شرما کر یہ لکھدیا، کہ "خود اپنا آلھا گیا گاؤں"۔

مولانا کی ترتیب سوانح کی سعادت کے سب سے بڑے خواہشمند منشی سید انتخاب عالم صاحب مارہروی مرحوم تھے، شاید وہ یہ چاہتے تھے کہ جس طرح انھوں نے شمس العلماء مولوی نذیر احمد صاحب مرحوم کی لائف لکھی ہے (یعنی وہ اس طرح لکھی ہے کہ طرزِ انشاء کے پہچاننے والوں کو وہ بظاہر خود صاحب سوانح کی لکھی ہوئی معلوم ہوتی ہے) اسی طرح وہ مولانا کے سوانح کی بھی "تالیف کریں"، چنانچہ سب سے پہلے ۱۹۰۵ء

---

[1] یہ خط معارف نومبر ۱۹۲۳ء میں چھپا ہے،

مین انھون نے خود مولانا سے خواہش کی مگر مولانا نے اس کو کسی طرح قبول نہین کیا، چنانچہ مولانا ابوالکلام کو لکھنؤ سے ۱۵ر جون ۱۹۰۹ء کو وہ لکھتے ہین: "ہان اور سنئے! افتخار عالم صاحب مولوی نذیر احمد کی لائف لکھ کر ابھی آلودہ ہاتھون سے حیاتِ شبلی کو چھونا چاہتے ہین، اجازت اور حالات مانگے ہین، مین نے لکھدیا ہو کہ ظاہری حالات تو ہر جگہ سے مل جائیں گے، لیکن عالم السرائر[۵۱] خدا کے سوا ایک اور بھی ہے، وہان سے منگوائیے، بھئی بتا تو دوگے ایسے لوگ اگر لکھیں تو کس کو خوشی ہوگی[۵۲]" (مکاتیب ابو الکلام ۳)

منشی سید افتخار عالم صاحب مولانا کے اس انکار کے بعد بھی اپنے خیال سے باز نہین آئے، چنانچہ پانچ برس کے بعد پھر خود مولانا کو لکھا، انھون نے ۲۵ر جنوری ۱۹۱۴ء کو یہ ظریفانہ جواب دیا،: "میری لائف میرے بعد لکھئے گا، ورنہ مکمل لائف کیونکر ہوگی" (مکاتیب اول مکتوب الیہ نمبر ۲۴)

یہ کیا معلوم تھا کہ اس کے دس ہی مہینون کے بعد کاتب کی لائف یعنی زندگی واقعۃً پوری ہو جائیگی،

بہرحال منشی صاحب موصوف نے مولانا کے اس جواب کے بعد مجھے گھیرا کہ مولانا کے قلم سے اُن کی خواہش کی تکمیل کرا دون، اور اس غرض کے لئے انھون نے فروری ۱۹۱۴ء مین مجھے پونہ خط لکھا، مین نے مولانا سے ان کی سفارش کی تو مجھے جواباً ارشاد ہوا، "افتخار عالم صاحب میری لائف کیا لکھین گے، کبھی تم اور دنیا کے کامون سے فارغ ہونا تو تم ہی لکھنا" (مکاتیب سلیمان ۶۶)

ہائے ان کی یہ پیشین گوئی بھی حرف بحرف کیسی پوری ہوئی، سچ مچ مین دنیا کے اور کامون سے آخر فارغ ہی ہو کر ادھر متوجہ ہوا،

---

۵۱ عالم السرائر تو خدا کے سوا کوئی اور نہین، مگر یہان مقصود بعض مخفی حالات کا علم ہے، (س) ۵۲ اس فقرہ سے استکبار اور ترفع کا مفہوم نہ سمجھا جائے، مقصود یہ ہو کہ منشی صاحب مرحوم صرف اردو فارسی کا علم رکھتے تھے، گو خوش سلیقہ اور سنجیدہ تھے، تاہم مولانا پر لکھنے کے لئے علوم عربیہ اور فنون کلامیہ اور ادب و تاریخ پر اطلاع ضروری تھی، اس لئے مولانا کا خیال تھا کہ وہ انکی سوانحمری کے فرض سے بآسانی عہدہ برآ نہین ہو سکتے تھے،

وفات کے بعد ان کے سوانح پر مضامین اور رسالے

راقم نے مولانا کی وفات کے بعد مولانا کے مختصر حالات پہلے تو الغزالی کے ایک نئے اڈیشن مین جو اُس زمانہ مین اصح المطابع لکھنؤ مین چھپ کر تمام ہوا تھا، بطور دیباچہ کے لکھے، پھر اسی کو معارف اگست ۱۹۱۶ء مین چھاپ دیا، اور مولانا کے مرض الموت کے حالات، وفات اور آخری احوال پر مسلسل دو تین مضمون فروری ۱۹۱۵ء کے زمیندار لاہور مین لکھے، مولانا کے دوسرے قدیم احباب و اعزہ مین سے مولانا حبیب الرحمن خان شروانی نے علی گڈھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ مورخہ ۲۰ر جنوری ۱۹۱۵ء مین مولوی عبد الحلیم صاحب شرر نے اپنے دلگداز مین خواجہ غلام الثقلین صاحب نے اپنے رسالہ عصر جدید مورخہ ۱ر دسمبر ۱۹۱۴ء مین سید فضل الحسن صاحب حسرت موہانی نے اپنے رسالہ اردوے معلّی مین اور مولانا عبد اللہ العمادی نے زمیندار مورخہ ۲۳ر نومبر ۱۹۱۴ء مین اور بہت سے اخبارون اور رسالون کے اڈیٹرون نے ان کے حالات، مرثیے اور نوحے اپنے اپنے اخبارون اور رسالون مین لکھے اور شائع کئے، مگر ان مین استناد کے قابل یہی تین چار اوّل الذکر مضامین ہین، اور اُس وقت سے لیکر اس وقت تک مولانا کے حالات کے متعلق جو کچھ لکھا جاتا رہا ہو اس کا ماخذ زیادہ تر پہلا اور کچھ دوسرا اور تیسرا اور چوتھا مضمون ہو،

اُن کی سوانحمری مستقلاً لکھنے کی کوشش سب سے پہلے منشی محمد مہدی صاحب نائب مہتمم تاریخ بھوپال نے کی، انھون نے "تبشیر پاشا سیر آبادہ" کے ضمن مین مولانا کے حال مین ۱۹۲۵ء مین ایک رسالہ "تذکرۂ شمس العلماء مولانا شبلی" کے نام سے لکھ کر شائع کیا،

حیاتِ شبلی کی ترتیب کا آغاز و انجام

خاکسار نے سیرت کی مصروفیت اور خاندانی اور ابتدائی حالات کی عدم واقفیت کے سبب اس کام کو پہلے اپنے رفیق و شریک کار مولانا عبد السلام ندوی کے سپرد کیا، کہ وہ مولانا سے برادری اور ہموطنی کا تعلق رکھتے ہین، اس لئے وہ اس کام کو مجھ سے بہتر انجام دے سکتے تھے، چنانچہ انھون نے اس کام کو اس طرح انجام دیا، کہ خاندانی حالات کیساتھ مکاتیب شبلی کے متفرق معلومات کو بہ ترتیب یکجا کردیا، ان اوراق کو مولانا شروانی اور مولانا مرحوم کے دوسرے احباب اور تلامذہ نے دیکھا، تو اس مجموعہ مین زندگی

کی روح نظر آتی ہے، پھر یہ کام مولانا کے پرانے شاگرد مولوی اقبال احمد صاحب سہیل ایم اے، ال، ال بی، ایم ال اے، وکیل اعظم گڈھ کے سپرد کیا گیا کہ وہ مولانا کے خاندانی تعلقات اور قدیم واقفیت کی بنا پر بہت کچھ لکھنے کے اہل تھے، چنانچہ اونھون نے اس کام کو اپنے ہاتھ مین لیا، اور مولوی عبد السلام صاحب کے مسودہ کو گھٹا بڑھا کر اور علی گڈھ کے بہت سے نئے واقعات کا اضافہ کرکے اپنے زورِ قلم سے بزم مین رزم کی شان پیدا کردی، اونکا یہ مضمون سیرتِ شبلی کے عنوان سے الاصلاح سرائے میر مین ۱۹۳۶ء اور ۱۹۳۷ء کے چھ نمبرون مین مسلسل نکلتا رہا، اس کے بعد وہ اسمبلی کی ممبری اور اس کے سیاسی فرائض مین ایسے الجھے کہ اس سیرتِ شبلی کے مسودہ کو تمام کرنے کے لئے وہ مناسب وقت و فرصت کا انتظار ہی کرتے رہ گئے،

اس لیت و لعل مین سالہاسال گذر گئے، اس اثنا مین مولانا کے بہت سے احباب اور ان کے سوانح کے مطالعہ کے مشتاق اسی اشتیاق مین چل بسے، یہان تک کہ ۱۹۴۰ء آگیا یعنی مولانا کی وفات اور دار المصنفین کی بنیاد پر پچیس چھبیس برس گذر گئے، احباب کا تقاضا ہوا کہ دار المصنفین کی پچیس برس کی سلور جوبلی منائی جائے، میرا اصول یہ ہو کہ

نمی رویم بہ راہے کہ کارواں رفتست

اس پامال رسم کو چھوڑ کر یہ خیال آیا، کہ اس جوبلی کی یادگار مین خود موضوعِ جوبلی یعنی مولانا شبلی کی سوانح عمری کا وہ کام کیوں نہ انجام دیدیا جائے، جو سالہاسال سے فرصت کے انتظار مین پڑا ہے، چنانچہ بسم اللہ کرکے ۱۹۴۰ء میں اس کا آغاز کر دیا، آخر تین برس کی محنت مین ۱۹۴۳ء مین یہ انجام کو پہنچا، اور اسی زمانہ مین اسکی چھپائی بھی شروع ہو گئی، مگر کیا عجیب بات ہو، کہ جس طرح صاحبِ سوانح کی وفات ۱۹۱۴ء پہلی یورپ کی جنگِ عظیم مین واقع ہوئی، اُن کی یہ سوانح عمری کی تالیف بھی ۱۹۴۰ء والی جنگِ عظیم مین واقع ہوئی جس سے زیادہ مقدار مین کاغذ کے ملنے کی دقت ایسی ضخیم کتاب کی چھپائی میں بارج ہوتی رہی، اور آخر کسی نہ کسی شکل سے یہ مشکل حل ہوئی اور چھپنے کی صورت نکلی،

معاونون کا شکریہ میں آخر میں اپنے اُن تمام بزرگون اور دوستون کا مشکور ہون جنھون نے اس کام کی تکمیل مین مجھے مدد دی، بالخصوص مولانا عبد السلام صاحب ندوی کا جن کے مجموعۂ اوراق کے سبب سے مکاتیب کی ورق گردانی اور کاغذات اور مسودات کی تلاش کی مصیبت سے بہت کچھ نجات ملی، اور مولوی اقبال احمد سہیل صاحب کا جن کی تحریر سے اعظم گڈھ کے بعض علمی واقعات اور مولانا کے خاندانی اور ابتدائی حالات کے جاننے مین بڑی مدد ملی، اس کے بعد مجی منشی محمد امین صاحب زبیری کا جو علی گڈھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ وغیرہ کے پُرانے فائلون سے بہت سی مفید تحریرین نظمین اور واقعات نقل کر کرکے مجھے بھیجتے رہے،

سب سے زیادہ مخدومی نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خان شروانی کا ممنون ہون جنھون نے مسودہ کے ان آٹھ سو صفحوں کو بڑی محنت سے حرف حرف پڑھا، اور کہین کہین اپنے علم و مشاہدہ کی بنا پر کچھ کچھ بڑھایا، اور اس طرح میرے بیانات پر اپنی ذاتی واقفیت کی مہر سے گویا توثیق کی، فللہ الحمد،

حیاتِ شبلی کے معتقد و منتقد خاکسار کو یہ دعویٰ نہیں کہ یہ تالیف سوانح عمریون کے صحیح اصول پر پوری منطبق ہو، تاہم یہ کوشش کی گئی ہے کہ جو کچھ معلوم ہو اس کو بے کم و کاست سپردِ قلم کر دیا جائے، مولانا کے سوانح مین بعض رفقائے کار اور معاصرین سے کچھ اُلجھاؤ بھی رہا ہے، کوشش کی گئی ہے، کہ اس کشمکش کے تاریخی اظہار مین تعلقات کے شیشون کو قلم کی بے اعتدالی سے ٹھیس نہ لگنے پائے، اور کسی ناگوار واقعہ کے ذکر کے موقع پر بھی دامن کو اُن کے کانٹون سے بچا کر نکلا جائے، تاہم نقائص اور عیوب بشریت کا خاصہ ہین، اس لئے کوئی سوانح نگار اپنی نسبت معصومیت کا دعویٰ نہیں کر سکتا، اور نہ کسی ایک فیصلہ کے متعلق سب کی رائین ایک ہو سکتی ہین کیونکہ محبت اور عقیدت کی نظر جہان مخدومون کی بہت سی خامیون کے دیکھنے سے قاصر رہتی ہے وہاں بدگمانون کی نگاہین سب سے پہلے اُن ہی پر پڑتی ہین، اور اُن کے تکرار و اعادہ مین اُن کو ایسی لذت ملتی ہے، کہ وہ ممکن کمالات سے بھی اغماض برت جاتی ہین، لیکن یہ دونون باتین درحقیقت نفسیاتِ فطرت کے مطابق ہین، اُن اس مین معتقد و منتقد دونوں معذور ہیں،

فعین الرضا عن کل عیب کلیلۃ	ولکنّ عین السخط تبدی المساویا
رضامندی کی آنکھ ہر عیب کے مشاہدہ سے قاصر رہتی ہے	لیکن ناراضی کی آنکھ برائیوں ہی کو ظاہر کرتی ہے

بہرحال شبلی، شبلی تھے، جنید و شبلی نہ تھے،

عہد جدید کا معلم اول مولانا کا رنگ ان قدیم علمائے دین کا نہ تھا جن کا پاک مشغلہ صرف خانقاہون مین رشد و ہدایت اور مدرسون مین درس و تدریس ہے، اگر ایسا ہوتا تو ایسے بزرگون کے تذکرون کے لکھنے کا جو پرانا دستور چلا آتا ہے، تذکرہ نگار کو اس سیدھے رستہ پر چلنے مین کوئی دشواری پیش نہ آتی، بلکہ یہ عہد جدید کے سب سے پہلے عالم کی زندگی کے سوانح ہین جن مین قدیم کے ساتھ ایسے جدید رجحانات بھی پہلو بہ پہلو ہین، جو عہد قدیم کی مانوس نگاہون مین کبھی کبھی کھٹک پیدا کر دیتے ہین، کیونکہ ان کے عہد مین ایک نئے دور کی بنیاد پڑی، اس لئے وہ قدیم و جدید کے ایک ایسے سنگم بنے جس مین دونون دریاؤن کے دھارے آکر مل گئے تھے، مرج البحرین یلتقیان اور اسی لئے ان کی زندگی کے کارنامے گذشتہ علمائے دین کے کارنامون سے نسبتہً مختلف ہین، وہ ہمارے قدیم اور مذہبی علوم کے عالم بھی تھے، اور جدید علوم کے بہت سے آراء و خیالات سے واقف بھی تھے، قدیم علماء کی صحبت بھی اٹھائی تھی، اور جدید تعلیم کے ارکان اور جدید تعلیم یافتون کی صحبت مین بھی رہے تھے، ساتھ ہی محققِ فن بھی تھے، ادیب بھی تھے، شاعر بھی تھے، انشا پرداز بھی تھے، خطیب بھی تھے، مورخ بھی تھے، متکلم بھی تھے، مفکر بھی تھے، مصلح بھی تھے، سیاسی بھی تھے، ماہر تعلیم بھی تھے، اور زمانہ کے اقتضاآت اور مطالبات کے مقابلہ مین بہت سی باتون مین انقلابی تھے، اور یہ سب گوناگون رنگ انکی زندگی کے مرقع مین نمایان ہین جن کی تفصیل ان اوراق مین نظر آئے گی،

کتاب کے ضمنی مباحث اس کا نتیجہ یہ ہے کہ یہ نو سو صفحون کی کتاب صرف اس عہد کے ایک شخص کی سوانحعمری نہین، بلکہ درحقیقت یہ مسلمانانِ ہند کے پچاس برس کے علمی، ادبی، سیاسی، تعلیمی، مذہبی اور قومی واقعات کی تاریخ بن گئی ہے، اسی سلسلہ مین بہت سے ایسے اشخاص کے مختصر حالات اور سوانح بھی درج ہوئے ہین، جن کو اس عہد کے سمجھنے کیلئے جاننا ضروری تھا، شروع مین ایک مفصل دیباچہ ہے، جس مین دیارِ مشرق مین علوم اسلامیہ کی تعلیم و اشاعت

کی تاریخ ہے جو بڑی دیدہ وریزی سے یکجا ہوئی ہے،

تصویر رسم زمانہ کے مطابق عام لوگون کو اس مین صاحب سوانح کی عکسی تصویر بھی ضروری معلوم ہوتی ہوگی، مگر لفظ و معنی کی رنگ آمیزی سے اُن کی جو سچی اور اصلی تصویر اس پوری کتاب مین نظر آتی ہے، وہ اس فریب نظر والے گناہ بے لذت رسمی تصویر سے زیادہ پائدار اور زیادہ قیمتی ہے، البتہ اس کی کوشش ہے کہ ان کی جسمانی فانی تصویر کے بجائے ان کے باقیات صالحات کامون کی تصویر سے ان اوراق کو مزین کیا جائے یعنی ان عمارتون کی تصویرین دیدی جائین جن مین ان کے اعمال صالحہ اور صدقاتِ جاریہ مجسم ہین،

کتاب کا نام کتاب کا نام بھی خود صاحب سوانح کا فیضِ انتخاب ہے، مولانا ابو الکلام کے نام والے اوپر کے خط مین حیاتِ شبلی خود ان کے قلم سے نکلا ہے، اور پسند کے قابل ہے،

محسن کی شکرگذاری اس حیاتِ شبلی کو لکھ کر اگر مین یہ سمجھون کہ اس طرح استاد مرحوم کے احسانات کے بارے مین سبکدوش ہوگیا تو یہ ناشکری ہوگی، کیونکہ میری حقیر ذات پر ان کے جو احسانات ہین وہ کیف و کم کے احاطہ سے باہر ہین، اور اُن کے تین سب سے بڑے احسانات تو ایسے ہین جن سے عہدہ برآ ہونا مشکل ہی ہے؛ سب سے اول یہ کہ انھون نے اس بے مایہ کو انگلی پکڑ کر چلنا سکھایا، اور اس قابل کیا کہ وہ حرف لکھ پڑھ کر اپنی استطاعت کے بموجب دین و ملت کی کوئی خدمت بجا لا سکے، دوسرا یہ کہ تعلیم سے فراغت کے بعد جو طالب علم کا سب سے نازک دور آتا ہے، اس مین اس کی ایسی دستگیری فرمائی کہ حصول علم اور شوق مطالعہ کے سوا کسی اور راہ مین بھٹکنے نہ دیا، اور خاندان کے بزرگون سے کہہ سن کر طبابت کے خاندانی پیشہ سے ہٹا کر علم و فن کے آستانہ پر لاکر کھڑا کردیا، اور سب سے آخر یہ کہ انھون نے اپنی زندگی مین اور اپنی زندگی کے بعد بھی بشکل وصیت اس کو سرورِ کائنات، فخرِ موجودات، رحمتِ عالم، سید اولادِ آدم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سرکارِ اقدس مین جہان وہ سب سے آخر پہنچے تھے، سب سے اول پہنچایا، یعنی حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مبارکہ کے مطالعہ جمع و تنقید اور تالیف و تحقیق کی خدمت ابتدا ہی مین سپرد فرمائی، جو الحمدللہ یہان اس کے لئے سعادت کا ذریعہ بنا اور انشاء اللہ

وہان اس کے لئے آخرت کا ذخیرہ ہوگی ، اسی کا نتیجہ ہے کہ قلم کی ہزار لغزشون کے باوجود حجاز کے بجائے ترکستان جانے کی غلطی اس سے سرزد نہین ہوئی، اور ساری علمی وعملی کوتاہیون کے باوجود بھی اسی سایۂ رحمت کے دامن سے وہ ساری عمر لپٹا رہا، اور اس طرح سرکارِ مدینہ سے اس کو محبت کا وہ خزینہ عطا ہوا جس سے وہ بزرگون کی نگاہ قبول کے قابل ٹھہرا، اور تلافئ مافات کی توفیق سے بہرہ ور ہوا ؎

حلِ این نکتہ ہم از روے نگار آخر شد

ہیچمدان سلیمان

۲۵ محرم سنہ ۱۳۶۲ھ

۲ فروری سنہ ۱۹۴۳ء

سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم جلد اول

جس مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے لیکر فتح مکہ تک کے حالات مبارکہ اور غزوات کا ذکر ہے، مع مقدمہ، ضخامت ۷۶۰ صفحے، قیمت قسم دوم تقطیع خورد للعہ

سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم جلد دوم

اس مین اقامت امن، تاسیس خلافت، تکمیل شریعت، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات واخلاق وعادات کا مفصل بیان ہے، ضخامت ۴۸۰ صفحے، قیمت تقطیع خورد قسم اعلیٰ عہ قسم دوم ہے،

"مینیجر"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

حیاتِ شبلی

اَلحَمدُ لِلّٰہِ رَبِّ العٰلَمِینَ وَالصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ المُرسَلِینَ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصحَابِہٖ اَجمَعِین

اللہ تعالیٰ نے اپنے دینِ حنیف کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے، اس وعدہ کا پورا ہونا بالکل یقینی ہے لیکن اس کے یقینی ہونے کے یہ معنی نہین کہ اس کے لئے ظاہری تدابیر کے اختیار کرنے کی ضرورت نہین، بلکہ خود اللہ تعالیٰ اس کی یہ تدبیر بھی فرماتا ہے کہ ہر زمانہ مین اس زمانہ کی ضرورت کے مطابق ایسے اشخاص پیدا فرماتا ہے، جو اس ضرورت کو پورا کرکے دینِ الٰہی کی حفاظت کا کام انجام دیتے ہین، یہان تک کہ یہ کام کبھی کبھی ایسون سے بھی لیا جاتا ہے جو اپنے ظاہری اعمال کے لحاظ سے اس کے مستحق بھی نہ تھے،

داد او را قابلیت شرط نیست ... بلکہ شرط قابلیت داد اوست

ہر مسلمان سپاہی جنیدؒ و شبلیؒ نہین ہوتا، لیکن اس کا یہی ایک کام کہ خدا کی راہ مین اس نے اپنی جان کی بازی لگا دی اتنا بڑا ہوتا ہے کہ اس کی آنکھین بند ہوتے ہی جنت کا دروازہ اس کے لئے فوراً کھل جاتا ہے،

پچھلی صدیون مین جو کچھ پیش آیا اور ہر دور مین اسلام کی حفاظت، دشمنون کی مدافعت اور وقت کی دینی ضرورت کے مطابق اشخاص جس طرح پیدا ہوتے رہے، ان کے حالات تاریخ کے صفحون مین مذکور ہین، خود ہندوستان

ین دیکھئے کہ گو آلِ تیمور سے اسلام اور مسلمانون کو بہت سے فائدے پہنچے، مگر ان کے بعض فرمانرواؤن کی کوتاہ اندیشی
سے اسلام کی دیوار مین دو رخنے پیدا ہو گئے، ایک یہ کہ ایرانی امرا کو سلطنت مین اقتدار حاصل ہو گیا، اور دوسرا یہ کہ ہندوؤن
کو خوش کرنے کے لئے ان کی بہت سی مذہبی رسمون کو علی الاعلان قبول کر لیا گیا، آخر ان ہی دونون رخنون
سے وہ سیلاب آیا جس نے ان کو بھی ڈبو دیا، اور اسلام کی بنیادون کو بھی درہم برہم کر دینا چاہا، عین اس وقت
سرہند و دہلی کے دو خانوادون سے وہ اشخاص پیدا ہوئے جنھون نے ان فتنون کے منہ بند کئے، اور اسلام کے
قلعہ کو اس سرزمین مین از سرِ نو محفوظ کیا، تیموریون کا دور جب ختم ہوا، اور سکھون نے سر اٹھایا تو پھر دہلی اور
رائے بریلی کے خاندانون سے وہ اکابر اٹھے جنھون نے پورے ہندوستان کو جگا دیا، اور ہر طرف اصلاح
و دعوت اور تبلیغ دین کا ولولہ پیدا کر دیا،

انگریزون کے برسرِ عروج آتے ہی تین طرف سے حملون کا آغاز ہوا، عیسائی مشنریون نے اپنی نئی
نئی سیاسی طاقت کے بل بوتے پر اسلام کے قلعہ، دین پر حملے شروع کر دیئے، دوسری طرف ہندوؤن مین
آریہ تحریک نے اپنے سابق مسلمان حکمرانون سے نجات پا کر ان پر حملہ کی جرأت پائی، اور سب سے آخر مین یورپ مین علوم و فنون
و تمدن کی ظاہری چمک دمک مسلمانون کی آنکھون کو خیرہ کرنے لگی، خدا نے عیسائیون کے مقابلہ کے لئے مولینا
رحمت اللہ صاحب کیرانوی، ڈاکٹر **وزیر خان** صاحب (آگرہ) اور اس کے بعد مولانا **محمد قاسم** صاحب
نانوتوی مولانا **رحم علی** صاحب منگلوری، مولانا **عنایت رسول** صاحب چریا کوٹی، مولانا سید **محمد علی** صاحب
مونگیری (سابق ناظم ندوۃ العلماء) وغیرہ اشخاص پیدا کئے، جنھون نے عیسائیون کے تمام اعتراضات کے پرزے
اڑا دیئے، اور خصوصیت کے ساتھ ڈاکٹر وزیر خان صاحب اور مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی کا وجود تو در
عیسائیت کے باب مین تائید غیبی سے کم نہین، اور کون باور کر سکتا تھا کہ اس وقت مین پادری فنڈر کے مقابلہ
کے لئے ڈاکٹر وزیر خان جیسا آدمی پیدا ہو گا، جو عیسائیون کے تمام اسرار کا واقف، اور ان کی مذہبی تصنیفات
کا ماہر کامل، اور عبرانی و یونانی کا ایسا واقف ہو گا، جو عیسائیون کو خود ان ہی کی تصنیفات سے ملزم

ٹھہرائے گا، اور مولانا رحمت اللہ صاحب کے ساتھ مل کر اسلام کی حفاظت کا ناقابلِ شکست قلعہ دم کے دم
مین کھڑا کر دے گا،

آریون کے دیانند سرسوتی کے مقابلہ کے لئے خاص طور سے مولانا **محمد قاسم** صاحب رحمۃ اللہ علیہ
کا ظہور بھی تائید غیبی ہی کا نشان تھا، اور پھر جس طرح عقائد حقہ کی اشاعت اور رد بدعات کا اہم کام مولانا **محمد قاسم** اور مولانا
رشید احمد صاحب گنگوہی اور اس جماعت کے دیگر مقدس افراد کے ذریعہ انجام پایا، اس کے آثار باقیہ اب
بھی ہماری نگاہون کے سامنے ہین،

یورپ کی نئی نئی سائنس اور قوانین فطرت کے نئے نئے اسرار کے انکشاف نے جو شبہات پیدا کئے
ان کا اصلی جواب تو وہ علما دے سکتے تھے، جو ہمارے قدیم متکلمین کی طرح جو قدیم فلسفہ مین ماہر تھے، اس
زمانہ کے نئے علوم اور نئی تحقیقات سے واقف ہوتے، مگر بہر حال ما لا یدرک کلہ لا یترک کلہ کہ اگر
پورا نہ مل سکے تو ادھورا ہی سہی کے اصول کے مطابق انہی لوگون مین سے جو گو نیم عالم تھے لیکن انگریزون
سے دن رات ملتے تھے، اور ان کے علوم و خیالات سے کچھ کچھ واقف تھے. سرسید، مولوی **چراغ علی**
اور مولوی **کرامت علی** صاحب جونپوری وغیرہ چند ایسے اشخاص کھڑے ہوئے جنھون نے اپنے اپنے
خیال کے مطابق اس فرض کو ادا کرنا چاہا، اور ان سے بہتون کو ایک معنی کر کے فائدہ بھی پہنچا لیکن چونکہ وہ باقاعدہ
عالم نہ تھے اور نہ علمائے حق کی صحبتون سے مستفید ہوئے تھے اس لئے انھون نے اپنے کامون مین جگہ جگہ غلطیان کین اور
ایسی تاویلون کے شکار ہوئے جو حقیقت سے بہ مراحل دور تھین، ان کی غلطیون کا سبب ایک ہی تھا، اور
وہ یہ کہ وہ اپنے زمانہ کی طبیعی تحقیقات اور ان کے قیاسی نتائج کو یقینی اور قطعی مان کر مسائل شرعیہ کو ان کے
مطابق کرنے لگے، اور یہ وہی غلطی تھی جس مین بہ مقابلۂ فلسفۂ یونان تیسری اور چوتھی صدی مین باطنیہ فرقے
علماء اور مصنفین مبتلا ہو چکے تھے، ان کا یہ کہنا تھا کہ علماء و فلاسفہ جو کچھ کہتے ہین، وہی انبیاء اور رسل علیہم السلام
کہتے ہین، اس لئے دونون مین ایسی تطبیق دیجائے، کہ انبیاءؑ کا کلام کسی نہ کسی تاویل سے حکماء و فلاسفہ کے

خیال کے مطابق ہو جائے، لیکن متکلمین اہل سنت نے یہ غلط راستہ اختیار نہین کیا، بلکہ یہ کیا کہ انبیا علیہم السلام نے جو کچھ فرمایا، اس کو قطعی و یقینی مان کر حکما و فلاسفہ کے ان مسائل کی جو قطعاً مخالف تھے، دلائل سے غلطی ثابت کی، اور جو کسی قدر تصحیح سے صحیح ہو سکتے تھے، اسکی تاویل کر دی، اور جو تمامتر مطابق تھے، یا کم از کم مخالف نہ تھے، یا انبیا علیہم السلام نے ان سے نفیاً یا اثباتاً بحث ہی نہین کی تھی، ان کی توثیق کی،

اس سے آگے بڑھکر ایک اور دور آیا، جب یورپ کے مستشرقین نے مسلمانون کی تصنیفات کو پڑھکر اور ان کے علوم کو سیکھ کر اسلام اور مسلمانون کے علوم و تاریخ و تمدن کو اپنے اعتراضات کا نشانہ بنایا، اور اُن کے یہ اعتراضات بڑی تیزی کے ساتھ تعلیم یافتہ نوجوانون مین سرایت کرنے لگے، اس دور مین اسلام کی خدمت کی سعادت جس کے حصہ مین آئی، وہ ہمارے ان اوراق کا ہیرو ہے،

مولانا **شبلی** مرحوم کا کام متعدد وجوہ سے اہمیت خاص رکھتا ہے، مرحوم جن معترضین کے جواب کیلئے اٹھے، وہ اَن پڑھ مشنریون مین نہ تھے، اور نہ مناظرانہ یا الزامی جواب ان کے لئے کافی تھے، ان کے جواب دینے کے لئے ضرورت یہ تھی، کہ ایک ایک کونہ سے نادر کتابون کی تلاش اور ورق گردانی کی جائے، ان کے بتائے ہوئے حوالون کی غلطی اور کمزوری بتائی جائے، اور اس کے بالمقابل اسلامی علوم و فنون اور تاریخ و تمدن کے شاندار واقعات اور اہم کارنامون کو ابنائے زمانہ کے سامنے لایا جائے، تاکہ اسلام کی تاریخی و تمدنی عظمت اور علمی جلالت سب کے سامنے آجائے، جس سے قوم کے افسردہ دلون مین ازسرنو تازگی اور امنگ بھی پیدا ہو، اور دشمنون کو اپنے اعتراضات کی بے مایگی کا بھی اندازہ ہو،

مرحوم کا مقصدِ زندگی اگر یہین تک ختم ہو جاتا تو بھی کام نسبتہً ہلکا ہوتا، مگر اس سے آگے بڑھ کر انھون نے اپنی زندگی کا مقصد یہ قرار دیا، کہ وہ اپنے سامنے اور اپنے بعد بھی علما، کا ایک گروہ ایسا چھوڑ جائین جو اس نئے زمانہ مین اسلام کی اس نئی ضرورت کو پوری کرتا رہے یہی دو چیزین اُن کی زندگی کا بڑا کارنامہ ہین اور اُن ہی کی تفصیل اس کتاب کی غرض و غایت ہے،

اس دوسری غرض کے لئے اُنھون نے اپنے پرزور مضامین لکھے، اور تقریرین کین جن سے یہ ثابت ہو کہ ہماری عربی تعلیم کا پرانا نصاب اصلاح کا محتاج ہے، اور ہمارے علما کو زمانہ کی نئی ضرورتون کا احساس ہونا چاہئے، شروع شروع مین ہر نئی تحریک کی طرح اس کی بھی مخالفت کی گئی، اور شدید مخالفت کی گئی، مگر جب لکھنؤ مین دار العلوم کی بنیاد ڈال دیگئی، اور اس کے نتائج سامنے آئے تو رفتہ رفتہ مخالفت کی آواز دھیمی پڑتی گئی، اور مولانا اور مولانا کے تلامذہ کے ہاتھون حیدر آباد سے بھاولپور تک اور خاص طور سے صوبہ ہاے متحدہ اور بہار کے مدرسون اور ڈھاکہ اور حیدر آباد کے مشرقی و دینی شعبون مین عظیم الشان اصلاحات ظہور پذیر ہوئین، یہان تک کہ اب صوبۂ متحدہ کی مقدس مذہبی درس گاہون تک اس کے اثرات پہنچ رہے ہین،

مولانا مرحوم نے ندوۃ العلما کے وجود سے پہلے ہی اس کے متعلق سب سے پہلی آواز سفرنامۂ روم و مصر و شام مین ۱۳۰۹ھ ۱۸۹۲ء میں اٹھائی تھی، اور ہندوستان کے ساتھ قسطنطنیہ اور مصر کے مذہبی مدرسون اور خاص طور سے **جامع ازہر** کے نصاب و طریق تعلیم و تربیت پر بڑی دلسوزی سے افسوس و حسرت کے آنسو گرائے، آنسو کے یہ قطرے بے اثر نہ رہے، اسی کے چند سال بعد ۱۸۹۹ء میں **جامع ازہر** کی اصلاح کی تحریک شروع ہوئی، اس کے متعلق سید رشید رضا اڈیٹر المنار مصر نے مسلسل مضامین لکھے، ۳۰ جمادی الثانی ۱۳۱۷ھ کے المنار مین اپنی اصلاحی تحریک کے سلسلہ مین دنیاے اسلام کے جن تین نامور علما کے نام سند اً پیش کئے وہ یہ تھے، شیخ احمد جان روسی، شیخ شنقیطی مغربی (مراکش) اور شیخ شبلی نعمانی ہندی[۱] اس کے بعد اگر ۱۹۱۴ء کی تحریک جامعۂ مدینہ کامیاب ہو جاتی تو اصلاح مدارس کی یہ تحریک ساری دنیاے اسلام مین پھیل جاتی، مولانا اس ماحول میں جس کو ہندوستان مین تعلیم جدید نے پیدا کیا تھا، ۱۶ برس کے قریب رہے تھے، ان کو خوب معلوم ہو چکا تھا، کہ سیلاب کا یہ بہاؤ کس رُخ پر ہے، اور اس سیلاب مین ہمارے مذہبی

[۱] اخبار البشیر اٹاوہ ۱۰ دسمبر ۱۸۹۹ء،

علوم وفنون کا کیا حال ہوگا، اور جو شکوک وشبہات اس تعلیم کی بدولت پیدا ہو رہے ہین، اُن کے جواب دینے کے لئے کس استعداد کے علماء کی ضرورت ہے، ساتھ ہی مصر وشام وٹرکی کی سیاحت نے علماء کے جدید فرائض کی ضرورتون کو اُن پر آئینہ کر دیا تھا، اور ان ہی وجوہ سے ان کو اپنی تحریک کی ضرورت کا وہ شدید احساس تھا جو دوسرے علماء کو نہ تھا،

اس اصلاحی تحریک کی دو دفعات پر مولانا کو بہ شدت اصرار تھا، ایک یہ کہ قدیم یونانی فلسفہ کی کتابین نکال کر جدید فلسفہ کی کتابین داخل کیجائین، دوسری یہ کہ علماء تعلیم یافتون کی اصلاح، یورپ مین تبلیغ اور مستشرقین یورپ کے اعتراضات کے جواب اور غلطیون کی اصلاح کے لئے انگریزی پڑھین،

اس سلسلہ مین واقعہ مجھے یاد آیا، ایک دفعہ تنہائی تھی، تو خاکسار نے عرض کیا کہ قدیم فلسفہ ومنطق کی کتابون کو نصاب سے خارج کرنے سے آپ کا مقصد کیا ہے، فرمایا یہ یونانی علوم نہ ہمارے مذہبی علوم ہین، اور نہ ہمارے مذہب کی فہم ومعرفت ان پر موقوف ہے، امام غزالی رحمہ اللہ نے اپنے زمانہ سے ان علوم کو علماء کے نصاب مین اس لئے داخل کیا تاکہ ان یونانی علوم کے اثر سے جن کو اس زمانہ مین زیادہ تر باطنیون نے پھیلا رکھا تھا، علمائے اسلام واقف ہو کر اس زمانہ کے الحاد کا مقابلہ کر سکین، لیکن اب نہ وہ ملحد رہے، نہ وہ یونانی علوم رہے، نہ ان کے ان مسائل کی صحت کا یقین عقل کے مدعیون کو رہا، اس لئے ان کا اثر خود بخود زائل ہو گیا، اور اب اُن سے اسلام کو کسی گزند کا خوف نہین رہا، اب اس کی جگہ نئے علوم ہین، نئے مسائل ہین، نئی تحقیقات ہین، اب اس بات کی ضرورت ہے، کہ ہمارے علماء ان نئی چیزون سے واقف ہو کر اسلام کی نئی مشکلات کا حل نکالین اور نئے شبہات کا تحقیقی جواب دین،

مجھے مولانا کی اس رائے سے کہ دار العلوم کے تمام طلبہ کے لئے انگریزی لازمی کیجائے اتفاق نہ تھا، چنانچہ ایک دن موقع پا کر مین نے عرض کی کہ آپ مدرسہ مین انگریزی کو لازمی کیون قرار دیتے ہین، انھون نے ایک آہ سرد کھینچی اور فرمایا دیکھ رہے ہو کہ نئی تعلیم کس تیزی سے پھیلتی جاتی ہے، اسی کے ساتھ عربی زبان کی

تعلیم اعلیٰ مسلمان خاندانون سے مٹتی جاتی ہے، اب نئے تعلیم یافتون کی مذہبی واقفیت کا مدار انگریزون کی کتابون اور اسلامی کتابون کے ترجمون پر رہ جائے گا، اس وقت ہمارے مذہبی علوم کی کیا حالت ہوگی، اب بھی دیکھو جب مذہبی تعلیم یافتون کو قرآن پاک کے سمجھنے کا شوق ہوتا ہے، تو وہ اپنی اس پیاس کو سیل کے انگریزی ترجمہ سے بجھاتے ہین، فقہ اسلامی کا مدار ہدایہ کے انگریزی ترجمہ پر رہ گیا ہے، کیا یہ کام ہمارے علماء کا نہین ہے

یہ خیالات ان کے بیسیون مضامین اور متعدد تقریرون مین بار بار دہرائے گئے ہین، اور عباسیہ کے زمانہ مین علوم یونانی کی اشاعت اور علم کلام کی ایجاد سے اس کی اصلاح کی مثال برابر اُن کے سامنے رہی، ایک تقریر مین وہ پوری تفصیل کے بعد فرماتے ہین :-

"علماء کو اس بات کا مطلق خوف نہین کرنا چاہئے، کہ علوم جدیدہ مذہب اسلام کے برخلاف ہین اور ان کی تعلیم سے عقائد مذہبی مین خلل آجاتا ہے، کیونکہ جب امام غزالی کی طرح وہ ان علوم کو خود حاصل کرین گے تو ان کو وہ مسائل معلوم ہوجائین گے، جن مین مذہبی مخالفت کا احتمال پیدا ہو سکتا ہے، اس صورت مین وہ ان مسائل کی تردید یا اسلام سے ان کی مطابقت بخوبی کر سکین گے، اور جدید تعلیم یافتون کو مذہبی شکوک وشبہات سے محفوظ رکھ سکین گے، صاف ظاہر ہے کہ جب تک ہماری قوم کے علماء جدید فلسفہ اور جدید علوم کو بذاتِ خود حاصل نہ کرین، ناممکن ہے کہ وہ ان اعتراضات کا جواب دے سکین، جو یورپ کے ملاحدہ مذہب اسلام پر کرتے ہین اور جن کا اثر ہماری قوم کے جدید تعلیم یافتون پر پڑتا ہے، (خطبات شبلی صفحہ ۹)

اسی خیال کے بموجب انھون نے خود سبقت کی، اور اپنے بل بوتے کے مطابق قدیم علم کلام مین سے جدید علم کلام کے عناصر جمع کئے، اور الغزالی، سوانح مولانائے روم، علم الکلام اور الکلام مین ان کو ترتیب دیا، مگر ان کتابون مین دو قسم کی کمیان محسوس ہوتی ہین، ایک یہ کہ جدید علوم ومسائل سے ان کی واقفیت بھی محض سُنی سُنائی ہی تھی، یا ثانوی درجہ کی تھی، اس لئے وہ ان مقامات کی پوری تحدید نہ کر سکے جہان سے اسلامی مسائل پر زد پڑتی تھی، دوسری کمی یہ ہوئی، کہ انھون نے اسلام کے صحیح عقائد کو متکلمین وحکمائے اسلام کی کتابون سے چن کر

یکجا کیا، حالانکہ ان کا اصلی سرچشمہ کتاب الٰہی اور سنت نبوی تھی، اگر یہ دونون چیزین براہ راست سامنے رکھی جاتین تو منزل مقصود کا صحیح پتہ لگ جاتا، اخیر زمانہ مین علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفات کے مطالعہ نے یہ نقطۂ نظر ان کے سامنے کر دیا تھا، مگر تصنیفی عمل کا وقت گذر چکا تھا، البتہ سیرت نبوی کی تکمیل کا موقع ان کو ملتا، تو ضرور وہ اس کی تلافی کرتے،

اس سلسلہ مین ایک بات اور کہنی ہے کہ امام غزالی وغیرہ کا اصلی کارنامہ یہ ہے کہ انھون نے یونانی تراجم کو براہ راست درس مین داخل نہین کیا، بلکہ ان علوم کو پڑھکر انھون نے خود یا دوسرے مسلمانون نے ان علوم پر اپنی اسلامی طرز پر جو کتابین لکھین ان کو علمار کے درس مین رکھا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پہلے ان علوم کو خود مسلمان بنایا، پھر ان کو مسلمانون مین رواج دیا، مولانا کے سامنے بھی جیسا کہ اوپر کی تقریر مین ہے، یہی چیز تھی، مگر افسوس کہ اس پر عمل اب تک اس لئے نہ ہو سکا کہ ان علوم کو علمار اب تک حاصل نہ کر سکے، اور ان پر ان کی تصنیفات کا زمانہ تو یہ مراحل دور ہے تاہم جو اصل نکتہ ہے وہ یہی ہے کہ پہلے ان جدید علوم کو مسلمان بنانا چاہئے، پھر ان کو مسلمانون مین رواج دینا چاہئے ورنہ بغیر اس کے وہی باطنیت اس زمانہ مین بھی پھیلے گی، جو امام غزالی سے پہلے پھیلی تھی، بلکہ مین کہتا ہون کہ مختلف تحریکون اور تصنیفون کے ضمن مین وہ پھیل بھی رہی ہے،

یورپ کے اس نئے دور مین علم کلام کا مرکز فلسفہ سے بہت کچھ ہٹ کر تاریخ کی طرف منتقل ہو گیا تھا، اس دور مین تاریخ نے وہ اہمیت پائی، جو اس کو پہلے نصیب نہ تھی، یہانتک کہ اس کو اسکولون اور کالجون کے نصاب کا جز، اور علمی تحقیقات کا بڑا شعبہ بنایا گیا، اور خصوصیت کے ساتھ محکوم ملکون کی درسگاہون مین اُن ملکون کی تاریخ کو ڈھونڈ لا کر کے دکھانا ضروری قرار دیا گیا، اور اس سے ان کا منشایہ تھا، کہ وہ اپنی نسلی و قومی برتری کا اعلان کرین، اور اپنے مقابلہ مین اپنی محکوم قومون کی تاریخ و تمدن کے روشن چہرہ پر نئے نئے طرز سے ایسی سیاہی پھیرین کہ ان کو خود اپنے اسلاف سے آپ نفرت آئے، اور اہل یورپ کے کارنامون

کے سامنے ان کو اپنے مذہبی و تمدنی و سیاسی و قومی کارنامے پھیکے نظر آئین، اور اس طرح اُن کا مذہب جو اُن کی تمام تحریکات کی روح ہے ہمیشہ کے لئے مردہ ہو جائے،

اس کام کے لئے سب سے پہلے انھون نے خود سرور کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ کی ذات پاک کو چنا، اور اس کو اپنے ہر قسم کے اعتراضون اور شبہون کا مورد ٹھہرایا، اس کے بعد خلفاے راشدین رضؓ، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور سلاطین اسلام رحمہم اللہ کو اپنے اعتراضون کا نشانہ بنایا، اور خصوصیت کے ساتھ مسلمان بادشاہون کی سلطنتون کو طرح طرح سے ظالمانہ ثابت کرنے کے لئے جھوٹ سچ کسی سے دریغ نہین کیا، اسلام کے اجتماعی سیاسی اور تمدنی کارنامون کو اتنا بگاڑ کر دکھانے لگے، کہ خود مسلمان نئے تعلیم یافتون کو اپنی تاریخ سے آپ گھن آنے لگی، اور مسلمان بچے جب اسکولون اور کالجون مین زیر درس تاریخ کی کتابون مین ایسی باتین پڑھتے تھے تو شرم سے گردن جھکا لیتے تھے، اس طرح مسلمانون کو طرح طرح کے علمی و سیاسی فریبون سے خود اسلام سے برگشتہ کر دیا،

چونکہ ہندوستان، مصر، مراکش، الجزائر، تونس وغیرہ اسلامی ملکون مین ان یورپ والون سے پہلے مسلمانون کی سلطنتین تھین، اس لئے اُن کے تاریک پہلوؤن کو دکھائے بغیر ان کے کارنامے چمک نہین سکتے تھے، اس بنا پر مسلمان بادشاہون اور ان کی سلطنتون کو بُرا کہنا اور بُرا دکھانا ان کے مضمون کا سب سے بڑا فرض ہو گیا تھا،

ہندوستان مین دشمنون کا یہ حملہ ۱۸۵۷ء کے انقلاب سے پہلے شروع ہو چکا تھا، ہندوستان مین ان حملہ آورون کے سب سے پہلے علم بردار ڈاکٹر اسپرنگر تھے، جو اس زمانہ مین دلی کالج اور بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کے سربراہ کار بھی تھے، ان کے بعد صوبہ یوپی کے سابق گورنر سر ولیم میور صاحب بھی آئے، اور لوگ اسی طرح آتے رہے، انگلستان مین بھی یہ کام عمدگی سے انجام پا رہا تھا، اور انگلستان کے سوا فرانس اور جرمنی مین جن کو مشرق کی شہنشاہی کا دعوی تھا، یہ کام پوری مستعدی سے جاری تھا، ڈاکٹر جے اے مولر، ڈاکٹر ویل،

وان کریمر، برتھالی سینٹ ہلیر، نولڈکی، ولہاؤسن، گولڈزیہر، رینان وغیرہ یورپ کے فضلا باری باری سے
اس کام کو انجام دیتے رہے، اور سب سے آخر میں انگلستان کی سب سے بڑی یونیورسٹی کے پروفیسر مارگیولیتھ صاحب
اٹھے، یہان تک کہ مصر و شام کے عیسائیون نے بھی ان کی تقلید مین اس کام کو شروع کیا، جن مین سب سے
زیادہ بدنام الہلال مصر کا اڈیٹر جرجی زیدان ہے،

یہ لوگ مشنری نہ تھے، اور نہ مناظرہ پیشہ عیسائی واعظ تھے، بلکہ ان کا شمار یورپ کے فضلا مین
تھا، یہ اپنے اغراض فاسدہ کے زہر پر ہمیشہ علمی تحقیقات کا غلاف چڑھا لیا کرتے تھے، اور خود مسلمانون ہی کی
کتابون سے کھوج کھوج کر اپنے کام کا سامان نکال لاتے تھے، اور اس کے لئے سچ یہ ہے کہ وہ بڑی بڑی عرق ریزی
کرتے تھے، نادر عربی کتابون کی تلاش اور جستجو کرتے تھے، محنت کے ساتھ پڑھتے تھے، اور ان مسالون پر اپنی تصنیف
و تحریر کی بنیاد ڈالتے تھے، اور اب بھی وہ اپنے ان کامون مین اسی طرح مصروف ہین،

ایسے ہوشمند حریفون کے مقابلہ کے لئے ساری دنیاے اسلام مین سے جو شیر دل اسلام کی صف سے
سب سے پہلے نکلا وہ مولانا شبلی رحمۃ اللہ علیہ ہی تھے، جنھون نے ان ہی کے طریقہ سے اُن ہی کے اسلوب پر اُن کو جواب دینا
شروع کیا، اور بتایا کہ اسلام کے فیض و برکت کی فرح بخش ہواؤن نے دنیا کے علم و تمدن کی بہارون کو کیسے
دوبالا کیا، اور یونانیون، ایرانیون اور ہندوستانیون کے مردہ علوم مین کیونکر اپنی محنتون اور تحقیقون سے
جان ڈالی،

اس سلسلہ کا آغاز مولانا نے اپنی گذشتہ تعلیم سے کیا، جس مین دکھایا کہ مسلمانون نے علوم و فنون کو ترقی
دے کر دوسری قومون کی زبانون سے کتابون کو اپنی زبان مین ترجمہ اور دنیا کے ہر گوشہ مین وسیع درسگاہون
کو قائم کر کے دنیا کی ترقی مین کیا کارنامہ انجام دیا ہے، پھر آگے چل کر معلومات کے اضافہ کے بعد اس مضمون
کو متعدد عنوانون مین تقسیم کر دیا،

مسلمان بادشاہون کے خلاف ہندوستان مین اور ہندوستان سے باہر بھی سب سے زیادہ نفرت انگیز

پروپگنڈا جزیہ کے نام سے جاری کیا جاتا تھا، یعنی وہ محصول جو مسلمان بادشاہ صرف اپنی غیر مسلم رعایا سے وصول
کرتے تھے، اس کو مخالفین اس بات کے ثبوت مین پیش کرتے تھے، کہ اسلامی سلطنتوں مین غیر مذہب پر ٹیکس تھا،
یعنی کوئی غیر مسلم رعایا اس مذہبی ٹیکس کے ادا کئے بغیر کسی اسلامی سلطنت مین اپنی جان و مال کو محفوظ نہین رکھ سکتی
تھی، اور اس مین شک نہین کہ بعض فقہا نے یہی لکھا ہے کہ جزیہ غیر مسلم کو قتل نہ کئے جانے کا معاوضہ ہے جس کو
وہ ادا کرتا ہے، لیکن یہ مسلک اُن مسلمان قومون کا نہ تھا جن کو ہندوستان کی فرمانروائی نصیب ہوئی،
مولانا نے بڑی تحقیق سے اس بات کو پایۂ ثبوت کو پہنچایا کہ جزیہ قتل کا نہین بلکہ "نصرت" کا معاوضہ ہے،
یعنی اسلامی ملکون مین اُن غیر مسلمون سے جو فوج مین بھرتی نہین ہوتے تھے، اس لئے یہ ٹیکس وصول کیا جاتا
تھا، کہ وہ ان کی فوجی خدمت سے مستثنیٰ ہونے کا معاوضہ تھا، تاکہ مسلمان سپاہی بیرونی حملہ آورون سے ان
کی جان و مال کی حفاظت کرین، اسی لئے جب خلفاے راشدین رضی اللہ عنہم کے زمانہ مین غیر مسلمون نے
فوجی خدمت ادا کرنے پر رضامندی ظاہر کی ہے، اور مسلمانون نے اس خدمت کو قبول کیا ہے، تو وہ اس
ٹیکس سے مستثنیٰ کر دیئے گئے ہین،

مولانا کا یہ مضمون شائع ہوا تو لوگون کو انکی اس اچھوتی تحقیق پر حیرت ہوگئی، اور تعلیم یافتہ مسلمانون کو
اس کی اتنی خوشی ہوئی کہ مولانا کی یہ تنہا تحقیق ہی ان کے نزدیک ان کے کارنامۂ فضیلت کے لئے کافی تھی،
مولانا کا تمام تر استدلال کتب فتوح و تاریخ سے تھا اسلئے ممکن ہے کہ بعض لوگون کو اسکے ماننے مین اب بھی تامل ہو، لیکن
حقیقت یہ ہے کہ فقہاے اسلام رحمہم اللہ گو اس بارہ مین مختلف ہین کہ جزیہ بقاء علی الکفر یعنی غیر مسلم ہونے کا
معاوضہ ہے، (ہدایہ) قتل کا بدل ہے یا قتال کا، (فتاوی سراجی و فتح القدیر) یا اس بات کا کہ ان کو اسلامی
ملک مین سکونت کی اجازت دی گئی ہے (مبسوط ص ۸، جلد ۱۰) تاہم وہ ائمہ جن کی نظر جزیہ کے ساتھ اہل ذمہ
کے شرائط مصالحت اور اس کے مصارف پر ہے، انھون نے صاف تصریح کر دی ہے، کہ یہ فوجی خدمت سے استثناء
کا معاوضہ ہے،

پانچوین صدی کے فقہ حنفی کے مشہور امام سرخسی المتوفی ۴۹۰ھ مبسوط مین معترض کے اس اعتراض کے جواب مین کہ اگر جزیہ کفر کا معاوضہ ہے تو اس کے یہ معنی ہین کہ مسلمان دنیا کے چند خزف ریزون کو لیکر کفر کی بقا کو انگیز کر سکتے ہین، فرماتے ہین:

ثم یاخذ المسلمون الجزیۃ منہ	پھر مسلمان ان ذمیون سے ان کی اس ذاتی
خلفاً عن النصرۃ التی فاتت باصرارہ	جسمانی امداد کے معاوضہ مین جس کے یہ ذمی
علی الکفر، لان من ھو من اھل	اپنے غیر مسلم ہونے کی وجہ سے اہل نہین ہین
دار الاسلام فعلیہ القیام بنصرۃ	جزیہ لیتے ہین، اس لئے کہ دار الاسلام کی مدافعت
الدار، وابدانھم لا تصلح لھذہ	و مدد اس کے سب رہنے والون پر یکسان واجب
النصرۃ، لانھم یمیلون الی اھل	تھی، اور چونکہ ذمی جسمانی امداد کے قابل نہین
الدار المعادیۃ فیشوشون علینا	کیونکہ وہ دل مین دشمنون کی طرف طبعاً مائل
اھل الحرب، فیوخذ منھم المال	ہین، تو اگر ان کو اسلامی فوج مین داخل کر لیا
لیصرف الی الغزاۃ الذین یقومون	جائے تو وہ دشمنون کو مدد پہنچائین گے، اس لئے
بنصرۃ الدار، ولھذا یختلف	ان سے جسمانی مدد کے بدلہ مالی مدد لیجاتی ہے،
باختلاف حالہ فی الغنی والفقر،	تاکہ ان کی امدادی رقم مسلمان غازیون
فانہ معتبر باصل النصرۃ، والفقیر	پر صرف کیجائے، جو دار الاسلام کی طرف سے
لو کان مسلماً کان ینصر الدار	لڑ رہے ہین، اور اسی لئے ان ذمیون سے ان
راجلا، ووسط الحال کان ینصر الدار	کی مالی حالت کی کمی اور زیادتی کے سبب سے
راکباً، والفائق فی الغنی یرکب و	ان کے جزیون کی رقم بھی کم و بیش رکھی گئی،
یرکب غلاماً فانما کان خلفا	کیونکہ امداد کرنے والون پر بھی اس حیثیت کی

عن النصرۃ یتفاوت بتفاوت	کمی بیشی کا اعتبار رکھا گیا ہے، کیونکہ اگر مسلمان
الحال ایضاً،	نادار ہو، تو وہ صرف اپنی ذات سے پیادہ
(مبسوط سرخسی جلد ۱۰ صفحہ ۷۷ مصر)	لڑائی کو تیار ہوگا، اور متوسط الحال مسلمان
	گھوڑے پر سوار ہو کر نکلے گا، اور دولتمند مسلمان
	خود بھی سواری پر جائے گا، اور اپنے غلام کو
	بھی اپنے ساتھ سوار کرکے لیجائے گا، انہی حالات
	کے مساوی ذمیون سے بھی جزیہ کی رقم بتفاوت
	حال وصول کیجائے گی، یعنی جس طبقہ کا مسلمان
	سپاہی و غازی اپنے اوپر خرچ کرے گا، اسی[۱]

[۱] یعنی ذمی کی حیثیت کے مطابق جزیہ لیا جائیگا

اسی اعتراض و جواب کو سید محمود آلوسی مفتی بغداد اپنی مشہور و مقبول تفسیر روح المعانی مین نقل کر کے کہتے ہین:۔

وقد یجاب بانھا بدل عن النصرۃ	اور اس کا جواب اس طرح دیا جاتا ہے کہ یہ
للمقاتلۃ منا ولھذا تفاوتت لان	جزیہ ہمارے (مسلمان) سپاہیون کی جسمانی ذاتی
کل من کان من اھل دار الاسلام	امداد کا مالی معاوضہ ہے، اور اسی لئے اسکی مقدار حیثیت
یجب علیہ النصرۃ للدار بالنفس	مالی کے مطابق گھٹتی بڑھتی رہتی ہے، کیونکہ دار الاسلام
والمال وحیث ان الکافر لا یصلح	مین سب رہنے والون پر دار الاسلام کی مدد جان
لھا لمیلہ الی دار الحرب اعتقاداً	و مال سے ضروری ہے، اور اسکے بجائے غیر مسلم کا اسلئے
اقیمت الجزیۃ الماخوذۃ المصروفۃ	کہ وہ طبعاً دار الحرب والون کی طرف اعتقاداً میلان
الی الغزاۃ مقامھا (جلد عاشر ص ۲۶)	رکھتا ہے، جزیہ (مالی معاوضہ) لیا جاتا ہے، جو ان مسلمان سپاہیون

علماے احناف کا یہی مسلک ہے، چنانچہ ہدایہ کتاب الجزیہ اور اس کی شرح فتح القدیر مین یہ مسائل مذکور ہین، اس باب مین مولانا کا احسان یہ ہے کہ انھون نے امام سرخسی کے نظریہ کی تائید مین مغازی و فتوح کی کتابون سے تائیدی واقعات یکجا کر دیئے، جس نے نظریہ کو فقہ کا ناقابلِ تردید مسئلہ بنا دیا،

مخالفینِ اسلام کی طرف سے اس پر بڑا غلغلہ بلند تھا، کہ اسلامی ملکون مین غیر مسلم رعایا کو عام حقوق زندگی بھی حاصل نہین، اتفاق سے اسی زمانہ مین آرمینیا کا واقعہ پیش آیا، یعنی ٹرکی نے آرمینیا کے عیسائیون کی بغاوت کو جب بزور ختم کر دیا، تو یورپ کے اصحابِ قلم نے اسلامی ملکون مین غیر مسلمون پر مظالم کے دردناک مرثیے چھاپے، اور اس کا ذمہ دار اسلام کو قرار دیا، اس موقع پر مولانا نے آرمینیا کے مفروضہ مظالم کے اسباب الگ لکھے اور "حقوق الذمیین" لکھ کر یہ بتا دیا کہ اسلام نے اپنی غیر مسلم رعایا یعنی ذمیون کو جو حقوق دیے ہین، وہ تمامتر عدل و انصاف پر مبنی ہین، بلکہ اس کی بلندی تک یورپ کی سلطنتون کے عدل کا پرِ پرواز ہنوز نہین پہنچا ہے،

اس مضمون نے مخالفون کی بھی آنکھین کھول دین، اور اس وقت سے برابر عیسائی اہل قلم اس کے جواب مین مصروف ہین، اور سب سے آخری کتاب اس کے جواب مین پروفیسر پادری اے ایس ٹرٹین (سابق پروفیسر عربی مسلم یونیورسٹی) کی کتاب "غیر مسلم رعایا مسلمان خلفاء کے زیر حکومت" (دی خلفس اینڈ دیر نان مسلم سبجکٹس The Caliph and Their non muslem Subjects سنہ ۱۹۳۰ء) ہے،

عیسائی یورپ نے خلفاے راشدین اور خصوصاً حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہم کے خلاف ایک بہت بڑا الزام یہ قائم کیا تھا کہ انھون نے اسکندریہ کے کتب خانہ کو جو دنیا کی صدیون کی محنتون کا خزانہ تھا، جلا کر خاک کر دیا، اور اس سے یہ نتیجہ نکالا گیا کہ اسلام علم کا دشمن ہے، گو اس پر بحث ہو سکتی ہے، کہ ہر خرافات کا مجموعہ علمی خزانہ ہونے کا مستحق کہان تک ہو سکتا ہے، تاہم مولانا شبلی آگے بڑھے، اور تاریخی تحقیقات سے یہ ثابت کر دیا کہ یہ الزام مسلمانون پر سراسر غلط ہے، بلکہ خود عیسائیون نے اپنے زمانہ مین صدیون پہلے اس کو

برباد کر دیا تھا، یہ تحقیق بھی بہت مقبول ہوئی، اور اس کے بعد خود یورپین محقق مصنفون نے اس الزام کی تردید کی ہے، شام کے جرجی زیدان نے مولانا کے مضمون کا جواب لکھا تو اللہ تعالیٰ نے راقم آثم کو توفیق بخشی کہ اس کا جواب لکھے، چنانچہ وہ الندوہ مین شائع ہوا،

اسی جرجی زیدان نے قبۂ اسلام مین بیٹھ کر تمدّنِ اسلامی کے نام سے متعدد جلدون مین اسلامی عربی تمدن کی تاریخ لکھی، اور اس مین بڑی ہوشیاری اور چالاکی سے بظاہر عرب خلفاء کے محاسن اور درحقیقت اُن کے معائب کا دفتر تیار کیا، کہ نادان مسلمان اس کے شکر گذار ہون لیکن دانا دشمنون نے اس کی اصل حقیقت کو سمجھ کر اس کی یہ قدردانی کی کہ کیمبرج یونیورسٹی کے پروفیسر مارگیولیوتھ نے اس کا انگریزی مین ترجمہ کیا اور مسلمان طالب علمون کے سامنے اس زہر آلود خوانِ کرم کو رکھنا طے ہوا، اُس وقت ساری دنیاے اسلام اور علماے اعلام مین سے مولانا ہی کا قلم نیام سے نکلا، اور مصنف کے سارے اعتراضات کی صفون کو درہم برہم کر کے رکھدیا، ان کی یہ خدمت ایسی قیمتی ثابت ہوئی کہ مصر کے علماء نے اس کی پوری قدر کی اور مولانا کی جلالت مرتبت کا اعتراف کیا،

ہندوستان مین مسلمانون کے خلاف انگریز مورخون نے سیاسی اغراض کی خاطر ہندوؤن پر عالمگیر کے مفروضہ مظالم کی یہ تشہیر کی، کہ خود مسلمانون کو بھی اس کا یقین آگیا، اور پھر ہندوؤن مین جدوناتھ سرکار جیسے محقق پیدا ہو گئے جنھون نے عالمگیر کو اس بنا پر کہ وہ اکبر کے بعد ہندوستان مین اسلامی سلطنت کے تخیل کو دوبارہ زندہ کرنا چاہتا تھا، ہر الزام کا مورد بنایا، اس وقت سارے ہندوستان مین صرف مولانا ہی کا قلم تھا، جو نیام سے باہر آیا اور تمام اعتراضات کے مفصل جوابات دیئے، یہ اب تک اس باب مین بے مثال تصنیف ہے، اور متعدد زبانون مین ترجمہ ہو چکی ہے،

اسی طرح مسلمان بادشاہون کے علمی و تمدّنی کارنامون کو پوری آب و تاب سے بڑی عرق ریزی اور جانفشانی سے جمع کیا، اور ان کو شائع کیا، اسلامی کتبخانے، اسلامی شفاخانے، ہندوستان پر اسلامی

حکومت کے اثرات، تزک جہانگیری وغیرہ اسی قسم کے مضامین ہین، یہ کہنا بہت آسان ہے، اور ایک حد تک سچ بھی ہے، کہ یہ سلاطین مسلمان ضرور تھے، مگر اسلام یا اسلامی طرزِ حکومت کے تمام تر نمایندے نہ تھے، اس لئے ان پر اعتراضات کرنے سے اصل اسلام پر زد نہیں پڑتی، لیکن اسلام کی ۱۳۶۱ برسون کے اندر مسلمان بادشاہون اور اسلامی حکومتون نے اپنے مسلمان ہونے کا کوئی پاک اثر اگر ظاہر نہین کیا، تو اسلام کی بے تاثیری کی دلیل اس سے بڑھکر اور کیا ہوگی،

اسلامی طرزِ حکومت کی صحیح تصویر کے لئے انھون نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حیاتِ مبارکہ کا انتخاب کیا، اور حقیقت یہ ہے کہ اونھون نے اپنی تلاش و محنت اور اپنی نکتہ سنجی اور دقیقہ رسی سے عہد حال کے اقتضا کے مطابق یہ تصویر ایسی عمدہ کھینچی، کہ دیکھنے والون کی زبان سے بیساختہ سبحان اللہ اور ماشاء اللہ نکل گیا، اونھون نے دنیا کی تاریخون کو چیلنج دیا کہ اس شبیہ مبارک کی مثال اگر اس کے مرقع مین ہو تو پیش کرے،

آجکل کی سیاسی و اقتصادی تحریکات کے انقلابی دور مین یہ سوال سامنے آتا ہے، کہ اسلام کا سیاسی و اقتصادی نظام کیا ہے، ڈھونڈھنے والے ڈھونڈھ رہے ہین، اور لکھنے والے لکھ رہے ہین، لیکن اہلِ نظر جانتے ہین، کہ اس کام کا مسالہ اُن کو کہان سے ہاتھ آرہا ہے،؟ الفاروق سے! اس سے یہ معلوم ہوگا کہ اُن کی دوربین نگاہ نے اس ضرورت کا پہلے ہی احساس کر لیا تھا،

الفاروق کی نسبت یہ کہنا سچ ہے، کہ اس مین حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روحانی زندگی کا خاکہ پوری طرح نہین ابھارا گیا ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ وہ خاکہ تو ہماری قدیم کتابون مین بحمد اللہ پوری طرح موجود ہی ہے، مصنف نے صرف اُس گوشہ کو اجاگر کیا ہے جو دنیا کی نگاہون سے پوشیدہ تھا، اور جس کی ضرورت ان کے عہد مین بہت شدید تھی، چنانچہ یہ اعتراف ناگزیر ہے، کہ الفاروق نے کتنے گرتون کو تھام لیا، اور کتنے دلون مین اسلام کی صداقت کا بیج بو دیا، اسی طرح اس مین بعض اغلاط کا وجود اور بعض جوابی نظریون کی کمزوری بھی مصنف کی بشریت کی حامل ہے، والعصمۃ للہ وحدہ،

تاریخی مسائل کی تحقیقات کا جو پرواز یورپ نے قائم کیا ہے، اور یورپ کے مستشرقین جس وسعت نظر، جستجو اور نادر کتابون کے مطالعہ اور نامعلوم گوشون سے اہم نتائج کی تلاش کرتے ہین، مولانا نے اپنی اس تصنیف اور دوسری تصانیف اور اپنے تمام مضامین مین اس کا بہترین نمونہ پیش کیا، جن کی مدح و ستائش کا اعتراف خود یورپ کے مستشرقین نے علی الاعلان کیا، اور اس طرح اسلام کی سربلندی کا جھنڈا جس کو وہ جھکا دینا چاہتے تھے، مولانا کے دست و بازو نے اُس کو علی حالہ بلند رکھا، اور اس کے لئے وہ ساری دنیاے اسلام کے شکریہ کے مستحق ہین،

عیسائی مدت سے کوشان ہین کہ وہ قرآن پاک کو محرف ثابت کرسکین، اس کے لئے وہ طرح طرح کی تدلیس اور دسیسہ کاری کیا کرتے ہین، جس سال اونھون نے وفات پائی ہے، اسی سال اپریل ۱۹۱۴ء مین لندن سے ایک غلغلہ بلند ہوا کہ کیمبرج یونیورسٹی کے لائبریرین ڈاکٹر منگانا نے لائبریری کے ایک گوشہ مین قرآن پاک کا ایک ایسا پرانا قلمی نسخہ پایا ہے جو موجودہ قرآن سے بہت مختلف ہے، ڈاکٹر منگانا نے اس کی پوری تشہیر کی، چنانچہ ۲۵ اپریل ۱۹۱۴ء کو ٹائمز آف لندن نے اس پر ایک آرٹکل لکھا اور بڑے دعویٰ سے اس کا اعلان کیا، اس اعلان کے مقابلہ کے لئے بھی مولانا ہی کا قلم میدان مین آیا، اور متعدد مضامین مین اس کا جواب دیا، اور اس تحقیق کا سارا تار و پود بکھیر دیا،

اُس زمانہ مین علما، جو کچھ لکھتے تھے وہ عربی یا فارسی مین، مولانا نے بھی علی گڈھ سے پہلے تک اسکات المعتدی عربی مین لکھی، فارسی نامے بڑی کوشش سے لکھتے تھے، صرف ایک رسالہ "قرأت فاتحہ خلف الامام" کے رد مین اردو مین لکھا، مگر اس کو اپنے نام سے نہین چھپوایا، لیکن جس طرح ہمارے علماے کرام نے زمانہ کی زبان بدلنے کے ساتھ عربی کی جگہ مفید عام تالیفات فارسی مین شروع کر دین، اور پھر فارسی کا چلن بدلنے پر حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحب دہلوی و حضرت شاہ عبد القادر صاحب دہلوی و حضرت مولانا اسماعیل شہید رحمہم اللہ تعالیٰ نے اردو مین تالیف شروع کی، مولانا نے بھی عربی اور فارسی کو چھوڑ کر

اردو کی طرف توجہ فرمائی، اور اُس زبان کو جس کی نسبت بطور معذرت سیرۃ النعمان مین یون فرماتے
ہین "حرف بہ اُردو زدن آئین نہ بود" اپنی نکتہ سنجیون اور خوش بیانیون سے یہ عروج بخشا کہ علماے
زمانہ کے لئے اس مین لکھنا پڑھنا مطلق عار نہ رہا، اور بے شمار کتابین اُن کے قلم سے اس زبان مین تالیف
پائین، اس سے آگے بڑھکر یہ کہ اس مین بعض علماے اعلام نے بھی کتابین لکھین، جو اپنی ہدایت و افادت
اور مضامین کی بلندی و ندرت کے لحاظ سے قابلِ قدر ہین، مگر بیان کے اشکال، تعبیر کی دقت، علمی و فنی
اصطلاحات کی کثرت اور فلسفیانہ طرز بیان کے تتبع کے سبب سے عوام تو عوام بہت سے خواص کے دسترس
سے باہر ہین، مولانا نے اپنے لئے بیان کی سہولت، عبارت کی روانی، ترتیب کی خوبی، عام فہم الفاظ
کے انتخاب اور تشبیہ و استعارہ کی عمدگی سے وہ طرز نکالا کہ اُن کی کتابین ادب و انشار کا اعلیٰ نمونہ قرار
پائین، اور تعلیم یافتہ و تعلیم یافتہ حضرات علما، کو بھی بالآخر اس کی تقلید سے چارہ نہ رہا، اور اب تو وہ علمی
مذہبی علوم کی لسانی زبان بن گئی ہے،

اس موضوع پر ایک اور رُخ سے نظر کیجئے، اس وقت تک حضرات علما جس قسم کے مضامین پر
رسائل تالیف فرماتے تھے، وہ دو تین موضوعون سے باہر نہ تھے، تصوف و فقہ کے اختلافی مسائل کی تحقیق
یا فرق باطلہ کی تردید، مولانا نے جب اس میدان مین قدم رکھا تو اس محدود رقبہ کو وسیع سے وسیع تر
کر دیا، تاریخی، فقہی، تمدنی، ادبی، علمی، فلسفی، سیاسی غرض ہر نوعِ سخن مین وہ گلباری کی کہ ساری زمین
قسم قسم کے پھولون سے پُر بہار ہو گئی، اور اب اس کی تقلید مین علمار کی تحریرین اور تالیفین بحمد اللہ کہ
اپنی وسعت روز بروز بڑھا رہی ہین،

اس موضوع کا ایک اور گوشہ بھی پردہ کشائی کا محتاج ہے، علماے کرام کا بڑا مشغلہ اس عہد مین
مناظرہ تھا، اور اُس وقت کا علم کلام گویا یہی طرزِ سخنوری تھا، بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ مولانا نے اپنی
تالیفات کے لئے اس کوچہ کو اختیار نہین کیا، مگر غور سے دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ ان کی ساری عمر اسی مولویانہ

مناظرہ ہی مین گذر گئی، اس وقت خصوصیت کے ساتھ چار فریقون مین مناظرے جاری تھے، حنفی اور اہلحدیث،
سُنّی اور شیعہ، مسلمان اور عیسائی، مسلمان اور آریہ، اب ذرا مولانا کی تالیفات پر نظر ڈالئے بقول اُنہی کے

گرچہ سرو برگِ سخن دیگراست — شمع ہمان است و لگن دیگراست

انھون نے مناظرہ کی بدنما شکل کو بدل دیا، اور احقاقِ حق اور ازہاقِ باطل کے لئے زمانہ کے مطابق ایک اُس
دلنشین شکل پیدا کر دی، اُن کی سب سے پہلی کتاب سیرۃ النعمان کا موضوع کیا حنفی اور اہلِ حدیث کا مناظرہ
نہین ہے؟ ان کی دوسری کتاب الفاروق کیا شیعہ و سُنّی مباحث کا فیصلہ نہین؟ انکی باقی کلامی و تاریخی کتابین
عیسائی مشنریون اور مستشرقون اور ہندو معترضون کے جواب مین نہین؟ لیکن بات یہ ہے کہ قدیم مناظرہ
قیل و قال کا طریق، حریفانہ تعصبات، جوابی الزامات، بدنما طعن و طنز، سوءِ تعبیر اور نا مناسب و شتم سے
اتنا بدنما ہو گیا تھا، کہ اس نے تاثیر و تاثر اور قبولِ حق کی ساری صلاحیت اپنے اندر سے کھو دی تھی، حالانکہ
احقاقِ حق اور ازہاقِ باطل ہمیشہ سے اہلِ حق کا شیوہ رہا ہے، اور کوئی زمانہ اس سے خالی نہین ہو سکتا،
اس لئے مولانا کی ژرف نگاہی نے لڑائی کے میدان کو نہین بلکہ جنگ کے نقشہ کو بدل دیا، اونھون نے یہ
طریقہ اختیار کیا کہ ردِ الزام اور ردِ جواب کے بجائے اپنے ہی دعوون کو ایسے دلنشین، دلچسپ اور محققانہ طریق
استدلال سے بیان کیا جائے کہ بیان کی ندرت، طریق تعبیر کی سنجیدگی، اور دلائل کی قوت خصم کو جواب کے
قابل ہی نہ رکھے، چنانچہ سیرۃ النعمان اور الفاروق اور الجزیہ وغیرہ کے جوابات مین جواب دینے والون نے
ایڑی چوٹی کا زور لگایا، مگر پھر بھی وہ اپنی جگہ پر رہین، اور اُن سے بڑا فیض پہنچا، اور علما نے بھی اس پردہ
پر کتابین لکھنی شروع کر دین، جو مفیدِ حال ہین،

مولانا سے پہلے ہمارے علما پر مدرسیت اتنی چھا گئی تھی، کہ اُن کی نظر درسی کتابون اور ان کے شروح
و حواشی تک محدود ہو کر رہ گئی تھی، زیر درس کتابون کے علاوہ کسی نئی کتاب کا دیکھنا کسی اور علم و فن کی
کتاب سے استفادہ، قلمی کتابون کی تلاش، اور نوادر کتب کے مطالعہ کا شوق عموماً ناپید تھا، مولانا

کو اللہ تعالیٰ نے یہ ذوق فطری عنایت فرمایا، انھون نے ہر علم و فن کی بکثرت کتابین مطالعہ کین، نوادرِ کتب بکثرت بہم پہنچائے، کتب خانے چھانے، دنیا کے کونہ کونہ سے مطبوعات منگوائے، ادب، محاضرات، فتوح، تاریخ، رجال، فلسفہ، منطق، کلام کا بڑا سرمایہ جمع کیا، اور اپنی تصنیفات اور مضامین مین اُن کے حوالے دئیے، نصابِ تعلیم مین اُن مین سے بعض کو داخل کیا، طلبہ اور علما، کو اُن کے مطالعہ کی ترغیب دی، اور اپنے شاگردون اور ہم نشینون مین اس کا ذوق پیدا کیا، ندوہ کے ایک اجلاس مین علما، کے فرائض پر تقریر کرتے ہوے خاص طور سے ادھر توجہ دلائی، ان کو یہ دیکھ کر دلی تکلیف ہوتی تھی، کہ یورپ کے مستشرقین جن کو اسلام سے کوئی واسطہ نہ تھا، وہ تو مسلمانون کے علوم و فنون کی نادر کتابون کی فراہمی، تصحیح، تحشیہ اور اشاعت مین ایسی جانفشانیان دکھا رہے ہین، اور مسلمان علما، جو ان علوم کے اصل وارث تھے، ان کو اپنے ان خزانون کی خبر نہین، چہ جائیکہ ان کی تلاش و تصحیح و مطالعہ و اشاعت کی زحمت اٹھائین، مولانا نے اسی شوق مین ایک دفعہ یہ ارادہ کیا کہ ان کی اشاعت کی خاطر ایک مجلس قائم کیجائے، اس کا اعلان بھی کیا، مگر خاطر خواہ جواب نہیں ملا، اسی سلسلہ مین دائرۃ المعارف حیدرآباد کو متوجہ کیا، اور اس سے فائدہ پہنچا، اور کہا جا سکتا ہے، کہ ان کی یہ تحریک علما، مین ناکام نہین رہی،

ان ہی دو غرضون کے لئے دار المصنفین کا خاکہ اُن کے دماغ مین آیا تھا، جو اُن کی زندگی کا اخیر کارنامہ تھا، ان کو جب کوئی نئی قلمی کتاب ہاتھ آتی، یا کوئی نادر کتاب چھپ کر آتی تو اُن کی سرخوشی کا عجیب عالم ہوتا تھا، قلمی کتابون کو ہر قیمت پر خریدنے کو تیار ہو جاتے تھے، اگر ہاتھ خالی ہوتا تو حیدرآباد وغیرہ سرکاری کتب خانون کو اس کی طرف متوجہ کرتے، دوستون کو اس کی خریداری کی ترغیب دیتے، جن مین سب سے پہلا نمبر ان کے حبیب مکرم مولانا حبیب الرحمن خان شروانی کا تھا، اور اس کی خبر دوستون کو اور عزیز شاگردون کو دیتے تھے، چنانچہ مکاتیب کے اوراق ان بشارتون اور خوشخبریون سے معمور ہین،

مولانا خود بھی اس علمی تبلیغ کو اپنی زندگی کا ایک اہم فرض سمجھتے تھے، چنانچہ وفات سے

ڈیڑھ سال پہلے اپنے ایک عزیز شاگرد مولوی عبد الباری صاحب ندوی کو لکھتے ہین :-

"بھائی مین تو اب چراغِ سحر ہو رہا ہون، تم لوگ اب اپنی ذمہ داریون کو محسوس کرو، مین اپنے عیوب کو سب سے بہتر جانتا ہون المرء اعرف بنفسہ، لیکن صحیح علمی مذاق کا پھیلانا اپنا کام سمجھتا رہا، اگر اس مین ذرا بھی کامیابی ہوئی ہو تو مسلم گزٹ کے مصنوعی سائیکے قبول کرنے پر آمادہ ہون" (۵)

مولانا کو اپنی اس علمی دعوت و تبلیغ اور ادبی تعلیم و تربیت مین کہان تک کامیابی ہوئی، اس کا فیصلہ ناظرین کے ہاتھ ہے، ان کی یہ کامیابی صرف ان کے حلقۂ تلمذ تک محدود نہین، بلکہ دوسرے حلقون کے علما، اور تعلیم یافتہ بھی اس سے متاثر ہوئے، اور برابر متاثر ہوتے جا رہے ہین، یہانتک کہ ان کے طرزِ تقریر و تحریر، اسلوبِ تحقیق اور طرزِ تنقید کی تقلید سے اب کوئی حلقہ خالی نہین رہا،

وہ یہ بھی چاہتے تھے کہ علما، مین باہم ایسا رشتۂ اتحاد ہو اور بحیثیت ایک جماعت کے اُن کا یہ علمی و مذہبی وقار ہو کہ سارے مسلمان ان کی پیروی کو اپنا شعار بنائین، اور ان کو پوری قوم پر پورا اختیار حاصل ہو اور حکومتِ وقت اُس وقت ان کے سامنے سر جھکا دے گی، چنانچہ وہ اپنی اس تقریر مین جو "علما، کے فرائض" پر ندوہ کے ایک اجلاس مین کی تھی، فرماتے ہین :-

"غرض اس امر سے انکار نہین ہو سکتا کہ علما، کو قوم پر اب بھی نہایت وسیع اختیارات حاصل ہو سکتے ہین، ان اختیارات کے حاصل ہونے کی شاید علما، کو ضرورت نہ ہو، لیکن قوم کو اس کی ضرورت اور سخت ضرورت ہے، کیونکہ علما، جب تک قوم کے اخلاق، قوم کے خیالات، قوم کے دل و دماغ، قوم کی معاشرت، قوم کا تمدن، غرض قومی زندگی کے تمام بڑے بڑے حصون کو اپنے قبضۂ اختیار مین نہ لین گے، قوم کی ہرگز ترقی نہین ہو سکتی، ...... اس وقت ندوہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ اوقاف کے لاکھون روپے جو متولیون کے ہاتھ سے نہایت بے دردی سے برباد

ہو رہے ہین ندوہ کے ہاتھ مین دیدیئے جائین، اور گورنمنٹ نہایت خوشی سے اس دعوی کو قبول کرے،

ندوہ دعوی کرسکتا ہے کہ انگریزی مدارس مین عربی و فارسی کا نصابِ تعلیم جو اس وقت ابتری کی حالت مین ہے اس کی اصلاح کردیجائے، اور گورنمنٹ کو اس دعوی پر بہت کچھ لحاظ ہوگا،

ندوہ دعوی کرسکتا ہے کہ جس طرح قدیم زمانہ مین عدالت صدر مین فقہی مسائل کے لئے قاضی و مفتی مقرر کئے جاتے تھے، وہ قاعدہ وسرنو سے قائم کیا جائے،

ندوہ کو اس وقت یہ قوت حاصل ہوگی، کہ تمام جماعتِ اسلام اس کی ہدایتون کی پابند ہو، اس کے فتوون کے آگے سر جھکائے، اس کے فیصلون سے سرتابی نہ کرسکے، اس صورت مین ندوہ تمام قوم کو بیہودہ مراسم سے خلافِ شرع باتون سے، ناجائز امور سے بزور روک سکتا، اور جماعتِ اسلام کو نماز کا، روزہ کا، حج کا، زکوٰۃ کا بزور پابند کرسکتا ہے، یہ زور تلوار کا نہین ہوگا، بلکہ اتباعِ سنت کا اور اتفاق باہمی کا ہوگا، (خطبات شبلی ص ۳۳ و ۳۴)

مولانا کی نگاہ مین علماء کے فرائض کتنے وسیع تھے، وہ خود اس وسعت پر عامل اور دوسرون کو بھی اسی وسعتِ خدمت کی طرف دعوت دیتے رہے تھے، علماء مین وہ پہلے شخص تھے، جس نے وقت کی سیاسی باتون مین دلچسپی لی، کانگریس کی حمایت کی، ہندو مسلم سیاسی مصالحت پر مضامین لکھے مسلم لیگ کے زاویۂ نظر کو بدلنے کے لئے متعدد مضامین اور بیسیون نظمین لکھین، احرار اسلام کی رہنمائی کی، اور ان کی بے راہ روی پر ان کو ٹوکتے بھی رہے، ہندوستان مین عالمگیر اتحاد کے وہ داعی اوّل تھے، اوقافِ اسلامی، وقف علی الاولاد، تعطیلِ جمعہ، اور دوسرے اسلامی مسائل کو حکومتِ وقت کے سامنے پیش کرکے تحریک کو کامیابی کی حد تک پہنچایا اور عام مسلمانون پر ان کا یہ بڑا احسان ہے، اس روشنی مین دیکھئے کہ اب آج کل جو حضرات علماء مین سیاسی گرمی ہے، مسلمانون کے سیاسی حقوق کی حفاظت کا جوش ہے، ملکی مطالبات کے ساتھ ہم آہنگی ہے، اور ہندو مسلم اختلافات کے دور کرنے کے لئے جو دو دمبنی ہے، اور مختلف سیاسی گروہون مین

منقسم ہوکر بھی بہرحال سیاسی مسائل سے جو وابستگی ہے، وہ کس کی پکار کا نتیجہ ہے

مولانا نے علماء کے طبقہ مین جن نئے خیالات اور حالات کی پرورش کی، اور اُن کی جامد سطح مین جو حرکت پیدا کرنی چاہی اس کا یہ مختصر خاکہ ہے، ان کے ذہن مین اس انقلاب کے لئے تدریج کی ضرورت تھی، اور وہ اپنی تصنیفات مین اسی پر عمل پیرا تھے، چنانچہ ۱۹۰۳ء مین ایک دوست کو لکھتے ہین :

"سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ مین علماء وغیرہ کو جس سطح پر لانا چاہتا ہون اس کے لئے زینے درکار ہین الغزالی پہلا زینہ ہے، دوسرا تاریخ علم کلام، پھر اصلی سطح یعنی علم کلام جدید ہے، جو زیر تصنیف ہے...غزالی مین اگر کھل کھیلتا، تو علماء برسون بلکہ قرنون کے لئے ہاتھ سے نکل جاتے، اور مجھ کو اُن سے کٹ کر الگ ہوجانا منظور نہین، بلکہ ع

مین تو ڈوبا ہون ولے یار کو بھی لے ڈوبون گا" (مہدی ۱۳۰)

لیکن حقیقت یہ ہے کہ مولانا کی ان احتیاطون کے باوجود علماء، اُن کے ہاتھ سے نکل گئے، اور عجب نہین کہ انھون نے اپنے طرزِ عمل کی غلطی محسوس کی ہوگی، ایک زمانہ تک ان کو اس پر تعجب آتا رہا، کہ سلف مین بھی بہت سے علماء اور ائمہ گذرے ہین، جن کے بہت سے خیالات اور نظری عقائد جمہور علماء سے مختلف تھے، مثلاً وہ قدری تھے، یا مرجیٔ تھے، پھر بھی وہ مقبول تھے، اور لوگ اُن کی قدر کرتے تھے، پھر وہ خود ہی مجھ سے اس کی وجہ ظاہر فرمانے لگے، کہ بات یہ ہے کہ ان بزرگون کے یہ نظری خیالات انکے زہد و عبادت و اتقاء کے ساتھ تھے، اس لئے وہ مقبول تھے، اور یہان یہ کیفیت نہین، اس کے بعد وہ دور آیا، جب اُن کا خیال ادھر رجوع ہوا کہ اختلافِ خیال کے باوجود وہ علماء مین کھپ سکتے ہین، اور ان کی تصنیفات کے اختلافی حصہ سے قطع نظر کرکے ان کے کارآمد حصون سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے، چنانچہ دس برس کے بعد مئی ۱۹۱۳ء مین ایک صاحب نے اُس زمانہ مین جب بعض علماء نے سرکار بھوپال مین یہ تحریک پیش کی تھی کہ سیرت کی امداد بند کردیجائے، مولانا کو ازراہ ہمدردی لکھا تھا، کہ سیرت کی تصنیف مین روحانیت سے قطع نظر نہ ہو، مولانا اس کے جواب

مین لکھتے ہیں:

"آج کل کے ریاکارون نے دوسرون سے بدگمان کرنے کے لئے بہت سے الفاظ تراشے ہین، اُن مین سے ایک یہ بھی ہے، کہ فلان شخص مین روحانیت نہین، فلان شخص عالم ہے لیکن دیندار نہین، لیکن انہی دیندارون کو مہینون دیکھا ہے کہ نمازِ فجر کبھی نصیب نہیں ہوئی، باوجود اس کے اُن کی دینداری اور روحانیت مین ذرہ بھر فرق نہین آتا،

یقین فرمائے کہ زمانہ کی خرابازاری دیکھ کر دنیا مین زندگی وبال معلوم ہوتی ہے، خواص تک عوام بن گئے ہین، حق و باطل کی تمیز کا مادہ مسلوب ہو گیا ہے، مدینہ یونیورسٹی کے نصاب پر جو کچھ یہ حضرات لکھ رہے ہین، کیا سچائی پر مبنی ہے، صرف یہ کاوش ہے کہ ان کا نام کیون نہین لیا گیا،

قرآن شریف پر نقطے حجاج بن یوسف نے لگائے، اور کسی نے یہ نہ کہا کہ حجاج پر قوم کو بھروسا نہین بلکہ وہی منقط قرآن آج تمام دنیا مین پھیلا ہوا ہے، موجودہ عمارتِ کعبہ بھی حجاج کی ہے، بلاغت کا پورا فن جس سے قرآن مجید مین ہر جگہ کام لیا جاتا ہے، جاحظ عبدالقاہر جرجانی اسکاکی کا بنایا ہوا ہے، یہ سب معتزلی تھے، کسی نے نہیں کہا کہ ان پر قوم کو اعتماد نہیں، تفسیر کشاف تمام محدثین پڑھتے تھے، حالانکہ اس میں اعتزال بھرا ہوا ہے،

قوم میں جب نیک و بد کی تمیز ہوتی ہے، تو وہ کسی چیز سے نہیں ڈرتی، اس کو خود بھروسا ہوتا ہے، کہ وہ خذ ما صفا کرے گی، جب علم نہیں رہتا اور حسد اور رشک کے سوا کوئی جوہر نہین موجود ہوتا تو لوگ اس قسم کی باتین کہکر اپنا دل خوش کرتے ہیں، اور لوگوں کو بدگمان بناتے ہین،

ارباب دیوبند نہایت زاہد اور متقشف ہیں، اس کے ساتھ وسیع النظر بھی نہین ہین، تاہم چونکہ مخلص ہین، اس لئے شور و شر نہین مچاتے، کوئی پوچھتا ہے تو جو جانتے ہیں بتا دیتے ہین"

(عبدالحکیم ۲۰)

لیکن ایک ہی سال کے بعد ۱۹ر مئی ۱۹۱۴ء کو جب منازعاتِ ندوہ کے سلسلہ مین دہلی کے بعض علما نے علم الکلام اور الکلام کی بعض عبارتون کی بنا پر ان کی تکفیر کا فتویٰ دیا، تو صاف اعلان فرمایا:

"میرے عقائد وہی ہین جو حضراتِ حنفیہ کے عقائد ہیں، مین عقائدِ اسلام اور مسائلِ فقہیہ دونون مین حنفی ہون" (دیکھئے زیرِ عنوان عقائد و خیالات ص ۸۲۳)

اس اعلان کے چھ ماہ بعد مولانا نے وفات پائی،

یہان پر ایک بات نوکِ زبان پر آئی جاتی ہے، مسلمانون کو شکوک و شبہات اور الحاد و بیدینی سے بچانے کے لئے جو تدبیر ہمارے حکمائے متکلمین نے اختیار کی، وہ بھی گو اپنی جگہ پر ایک چیز ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ محض علوم زمانہ کے ذریعہ مسلمانان زمانہ کو زمانہ کی غلطیون سے بچا کر یقین و اذعان کی منزل مقصود تک پہونچانے کی یہ تدبیر نہیں، متکلمین کے علاج سے یہ ہو سکتا ہے، کہ بیماری کے کچھ عوارض زائل ہو جائین لیکن اس سے صحت کا درجہ کبھی حاصل نہین ہو سکتا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور جس زمانہ مین ہوا، روم و مصر و شام و ایران مین یہ فلسفیانہ علوم اور الٰہیات کے یہ شکوک و شبہات پورے کے پورے موجود تھے، مگر اُس کی اصلاح علم کلام کی ایجاد سے نہین کی گئی، بلکہ قوتِ ایمان اور حسن عمل کی زندہ مثالون نے اُن کے شکوک و شبہات کے پردون کو چاک کر دیا، تعلیم یافتگان نبوت جہان پہنچے، سیدھی، سادی اور بے پیچ خدائی منطق جو قرآن کی صورت مین تھی، اور اسوۂ رسول جس کے وہ خود نمونہ تھے، یہ دو چراغ ان کے ہاتھ مین تھے، جن کو لے کر وہ آگے بڑھتے گئے، اور تاریکی کا پردہ چاک ہوتا گیا، صحابہ کے دور کے بعد تابعین اور پھر تبع تابعین کا دور آیا، اُن کے زمانہ مین ہذیل، علاف، نظام اور جاحظ وغیرہ متکلمین بھی تھے، مگر تاریخ بتا سکتی ہے کہ اسلام کی ہدایت کا سرچشمہ کس رُخ سے بہتا رہا، اور دین و اخلاق کی خشک زمین کس سے سیراب ہوتی رہی، یہی صورتِ حال اس دور کے بعد بھی رہی، شیخ الرئیس بو علی سینا، اور حضرت ابو سعید ابو الخیر رحمۃ اللہ علیہ ایک زمانہ میں تھے، مگر روحانی ہدایت کہان سے ملی، اور حضرت ابو سعید کا حکیم مشرق بو علی سینا

کو یہ فرمانا اب بھی صادق ہے "آنچہ تو می گوئی من می دانم و آنچہ تو می دانی من می بینم" دوسرے ملکون کو چھوڑ دیئے، صرف اپنے ملک کو دیکھئے یہان خیالی اور شرح مواقف پر حاشیہ چڑھانے والون نے کتنے دلون کو منور کیا، اور چشت وسہرورد کے خانوادون نے اپنے نور باطن سے لاکھون قلوب کو روشن کردیا، بات یہ ہے کہ علم کلام صرف معترضون کی زبان کو بند کرنا سکھاتا ہے لیکن بند دلوں کو کھولنا اس کا کام نہین،

اس تقریر کا یہ مطلب نہیں کہ فن کلام بیکار و ہیچ ہے، ایسا سمجھنا غلطی ہے، ملتِ اسلامیہ ایک عالمگیر سلطنت ہے اس مین ادنی سپاہی سے لیکر امرار اور وزرار تک کی یکسان ضرورت ہے، جس سلطنت میں وزیر ہی وزیر ہون، سپاہی نہ ہون وہ کب دشمنون سے محفوظ رہ سکتی ہے، لیکن ہر ایک ملازم اور عہدہ دار کا ایک خاص مرتبہ اور درجہ ہے ہر ایک اپنی اپنی استعداد اور موہبت کے مطابق مختلف عہدون اور درجون کے کام کے لائق بنائے گئے ہین، وزرا، ہین جو سلطنت اور فرمانروائی کے فریضہ کو انجام دیتے ہین، امرار ہین جو رموز سلطنت کے مشیر اور کارپرداز ہین، سپاہی ہین جو ملک کے ہر سرحدی درہ اور دشمنون کے حملون کے مقامات کی دیکھ بھال مین مصروف ہین، اور ان میں سے ہر ایک کی خدمت سلطنت کے انتظام اور اس کی حفاظت و بقا اور ترقی کے لئے ضروری ہے، ان مین سے اگر وزرار اور امرار یہ سمجھیں، کہ سپاہیون کی ضرورت نہین تو سلطنت کے انتظام وحفاظت کے اسرار سے ناواقف ہین، اور اگر سپاہی یہ سمجھیں کہ سلطنت کے لئے وہی سب کچھ ہین، وزرار اور امرار کی ضرورت نہین، تو وہ بھی اس سلطنت کے خیر خواہ نہیں، کہ وہ نہ ہون تو ملک مین تباہی برپا ہوجائے، لیکن یہ بالکل صحیح ہے کہ مرکزی سلطنت کے مصالح وحِکم کے واقف کار اور سلطنت کی پالیسی کے ذمہ دار اور اس کے کلی نفع وضرر کے نگران وزرار اور امرار ہی ہین، سپاہیون کے متعلق صرف اتنے ہی حصہ کی حفاظت فرض اور اسی کے مصالح وحِکَم کی رعایت ان پر واجب ہے جن کی حفاظت کا کام ان کے سپرد کیا گیا ہے،

متکلمین کی مثال اس سلطنت کے مجاہد سپاہیون[1] کی ہے، جو دین کے معترضون کو خطرون اور دشمنون

---

[1] امام غزالی نے بھی احیاء العلوم مین یہی فرمایا ہے اور ان کو حارس دین عن تخیلات المبتدعہ کا خطاب دیا ہے اور حج کے محافظ دستون سے ان کو تشبیہ دی ہے (باب العلم الذی ہو فرض کفایہ)

کے حملون سے محفوظ رکھنے کے لئے اپنے علم وفن کی بساط بھر کوشش کرتے ہین، اور حضرات محدثین وفقہار وصوفیۂ صافی کی مثال سلطنت کے وزرار اور امرار کی ہے جن کے ہاتھ مین حکومت کی پالیسی، سلطنت کے مصالح و حِکَم کی نگرانی اور ساری سلطنت کے حسنِ انتظام اور اجرائے احکام کی طاقت ہوتی ہے، فوج کا ہر دستہ اپنی جگہ پر اپنے مفوضہ حصۂ ملک کی فوجی حفاظت کا ذمہ دار ہے، مگر سلطنت کی پالیسی اور رموزِ مملکت اور ساری سلطنت کے حُسنِ انتظام اور اجرائے احکام سے اس کو تعلق نہین، اس سے آگے بڑھ کر اگر وہ یہ کہین کہ ملت کے کُلی مصالح وحِکَم کے وہ نگران ہین تو وہ غلطی کرین گے، اور اگر اسی طرح حضرات محدثین وفقہار یہ سمجھین کہ دشمنون سے حفاظت کے یہ فوجی دستے بیکار ہین تو وہ بھی غلطی پر ہین،

اس مثال سے یہ بات اچھی طرح ذہن مین آجاتی ہے کہ ہمارے متکلمین نے اپنے مناظرانہ التزامات کے سلسلہ میں عقائد کا جو دفتر تیار کر رکھا ہے، اس کو ملت کے عقائد سے ذرا تعلق نہیں، وہ تو ان کے فنی مفروضات ہیں جو دشمنون کے مقابلہ مین ان کو خاموش کرنے کے لئے انھون نے گھڑ لئے تھے، اسی طرح حضرات محدثین وفقہار کو چاہئے کہ ان متکلمین کے ان فنی مفروضات پر اس وقت تک اُن کو ملت کا باغی وطاغی ٹھہرا کر ان کو کافر نہ بنایا کرین، جب تک وہ یہ دعویٰ نہ کرنے لگین کہ ان مدافعی مناظرون مین ان کی زبان وقلم سے جو کچھ نکل رہا ہے، وہی عین اسلام ہے، اور اگر وہ ایسا دعوی کرین تو یہ سرحدی حفاظت کے بجائے جو ان کا فرض ہے، مرکزی سلطنت کے اساس وانتظامِ مملکت کے رموز واسرار و قواعد واحکام مین مداخلت ہے جس کا دوسرا نام طوائف الملوکی یا بغاوت ہے، اسی لئے یہ بات بطور اصل کے مان لی گئی ہے، کہ لازم مذہب مذہب نہین یعنی متکلمین کے آرار ونظریات سے جو غلط نتائج لازم آجائین وہ اُن کا عقیدہ نہیں قرار دیا جائیگا،

گم کردہ راہ متکلمین کو چھوڑ کر بحمد اللہ تمام متکلمینِ حق اس نکتہ سے بخوبی آگاہ تھے، اور یہی سبب ہے کہ وہ اخیر عمر مین جب جنگجویانہ قویٰ مین افسردگی آتی ہے، اور عقل کے بلند بانگ دعوؤن کی حقیقت سے اُن کو آگہی ہوجاتی ہے تو دلائل وبراہین عقلی کے بجائے وحی الٰہی اور تعلیم نبوی کی صداقت کے آگے سر جھکا دیتے ہین اور پکار اٹھتے ہین

اِنِّیْ وَجَّہْتُ وَجْہِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے علم کلام ہی چھوڑ کر فقہ کا دامن پکڑا تھا، امام ابو الحسن اشعری نے چالیس برس کے اعتزال کے بعد بصرہ کے منبر پر کھڑے ہو کر قبولِ حق کا اعلان کیا، کہتے ہین کہ جب امام غزالی کا انتقال ہوا تو صحیح بخاری ان کے سینہ پر دھری تھی، اور سبکی نے لکھا ہے کہ صحیح بخاری و صحیح مسلم ان کی اخیر زندگی کا مشغلۂ حیات تھی، علامہ ابن تیمیہؒ حافظ ابن قیم اور مُلا علی قاری نے متعدد متکلمین کی نسبت لکھا ہے کہ ان کا خاتمہ عقل کی کوتاہیون کے اعتراف اور وحی نبویؐ کے عقیدہ کے اقرار پر ہوا، مرتے وقت امام جوینی کی زبان پر یہ تھا "مین اسلامی علوم کو چھوڑ کر عقل کے سمندر میں غوطے لگاتا رہا، اگر اللہ تعالیٰ کا فضل شاملِ حال نہ ہوتا، تو افسوس ہوتا اب مین اپنی ماں کے عقیدہ پر مرتا ہون، یا یہ کہ اب مین نیشاپور کی بوڑھیون کے عقیدہ پر مرتا ہون" اسی قسم کے اقوال علامہ آمدی شہرستانی اور خسرو شاہی وغیرہ متکلمین سے منقول ہین،

امام غزالی نے احیاء العلوم مین اپنی ذاتی تحقیق و تجربہ کے بعد علم کلام کے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ پڑھنے کے قابل ہے، مولانا شبلی مرحوم نے بھی الغزالی مین اس کو نقل کیا ہے،[2] جو بلفظہ یہان درج ہے :-

"اکثر یہ لوگ سمجھتے ہین کہ اس (علم کلام) سے حقائق کھل جاتے ہین، اور ان کا پورا پورا علم ہو جاتا ہے، لیکن افسوس علم کلام اس بلند مقصد کے لئے کافی نہین، بلکہ اس سے کشفِ حقیقت کے بجائے خبط اور گمراہی زیادہ بڑھتی ہے، اور یہ بات اگر کوئی محدث (محض) یا ظاہر پرست کہتا تو تم کو خیال ہوتا، کہ آدمی جس چیز کو نہین جانتا، اس کا دشمن ہو جاتا ہے، لیکن یہ بات وہ شخص (یعنی خود امام صاحب)

[1] شرح فقہ اکبر ملا علی قاری ہند ص ۷، عقیدۂ حمویہ کبری رسائل ابن تیمیہ مصر ص ۴۱۷، اجتماع الجیوش الاسلامیہ ہند مواتی و مسند ابن قیم مصر ص ۵۔

[2] الغزالی ص ۳۴ مولینا نے اس کے لئے احیاء العلوم کے باب ذکر علوم کا حوالہ دیا ہی مگر یہ بیان درحقیقت احیاء العلوم کی کتاب قواعد العقائد کی فصل ثانی مین ہے،

کہتا ہے جس نے علم کلام کو اس حد تک حاصل کیا کہ متکلمین اس سے آگے نہین بڑھ سکتے، بلکہ اسی علم کلام ہی مین کمال حاصل کرنے کی غرض سے اور علوم سے جو اس فن سے مناسبت رکھتے تھے، واقفیت پیدا کی، یہ سب کر کے وہ **علم کلام سے بیزار ہو گیا،**

امام رازی نے اپنی کتاب اقسام اللذات مین لکھا ہے :

"مین نے کلام کے سارے مباحث اور فلسفہ کے سارے ابواب پر پوری طرح غور و خوض کر لیا تو مین نے دیکھ لیا، کہ ان سے نہ بیمار تندرست ہوتا ہے اور نہ پیاسا سیراب، اور مین نے پایا کہ منزل مقصود تک لیجانے والا سب سے قریب راستہ قرآن پاک کا راستہ ہے، اور جس کو میری طرح ان علوم کا تجربہ ہو گیا، اس کو یہی معلوم ہو گا،"[1]

حافظ ابن قیم نے اس کتاب سے کچھ اور فقرے نقل کئے ہین،

اب ہم کہتے ہین کہ اے کاش ہم پیدا ہی نہ ہوتے، اور اسی مقام پر مین نے کہا ہے،

نہایۃ اقدام العقول عقال	وغایۃ سعی العالمین ضلال
عقلون کے قدم کی انتہا رناکشودہ گرہ ہے	اور دنیا والون کی کوششون کی حد ناکامی ہے
ولم نستفد من بحثنا طول عمرنا	سوی ان جمعنا فیہ قیل وقال

ہم نے اپنی ساری عمر کی بحث سے سوا اس کے اور کچھ نہ کیا، کہ لوگوں کے اقوال کا ذخیرہ جمع کر لیا،

واعلم ان بعد التوغل فی ھذہ	اور جان لو کہ ان تنگ راہون میں گھسنے اور
المضائق والتعمق فی الاستکشاف عن	ان حقائق کے اسرار دریافت کرنے کے لئے غور
اسرار ھذہ الحقائق رائیت الاصوب	و فکر کے بعد مجھے اس باب مین صحیح و مناسب طریقہ
الاصلح فی ھذا الباب طریقۃ القرآن	قرآن پاک ہی کا نظر آیا، اور وہ عقلی کرید کو چھوڑ دینا

[1] شرح حدیث النزول ابن تیمیہ ص ۱۰۵، اقسام

العظیم والفرقان الکریم وھو ترک التعمق	اور آسمان و زمین کے عجائبات سے اللہ کے
والاستدلال باقسام اجسام السموات	وجود پر دلیل قائم کرنے کا طریقہ ہے، اور اللہ
والارضین علی وجود رب العالمین ثم المبالغة	تعالیٰ کی عظمت کا بہ دل اعتقاد و تفصیلات
فی التعظیم من غیر خوض فی التفاصیل[1]	میں پڑے بغیر،

امام موصوف نے مرض الموت میں جس کا زمانہ ممتد رہا، ۲۰ محرم ۶۰۶ھ کو اپنے ایک شاگرد کو اپنا ایک وصیت نامہ لکھوایا تھا جس کو تذکرہ نویسوں نے بعینہٖ نقل کیا ہے، اس میں موصوف نے اپنی عمر بھر کی علمی تحقیقات اور کلامی مباحث کا آخری نتیجہ یہ پیش کیا ہے،

ولقد اختبرتُ الطرق الکلامیة	میں نے تمام کلامی اور فلسفیانہ طریقوں کو
والمناھج الفلسفیة فما رأیت	آزما لیا، تو میں نے اُن کا فائدہ اس فائدہ
فائدة تساوی الفائدة التی	کے برابر نہیں پایا، جس کو میں نے قرآنِ
وجدتھا فی القرآن العظیم،	عظیم میں پایا،

(طبقات الاطباء ابن ابی اصیبعہ ۲ ص ۲۷)

اور اس کے بعد یہ لکھا ہے، کہ "میں محض اللہ تعالیٰ کے رحم و کرم کا امید وار ہو کر مر رہا ہوں" اس وصیت نامہ کے آٹھ مہینے دس دن کے بعد یکم شوال ۶۰۶ھ کو انھوں نے وفات پائی،

غرض یہ احوال جس طرح دوسروں کو پیش آئے، اس حیات نامہ کے ہیرو کو بھی پیش آئے اور آخر اس کو یہ کہنا پڑا،

فلسفی سرِّ حقیقت نتوانست کشود　　　گشت رازِ دگر آن راز کہ افشا می کرد

۱۹۱۱ء سے جب وہ ہر طرف سے سمٹ کر سرکارِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے آستانہ پر حاضری کے لئے بیتاب

۱؎ اجتماع الجیوش الاسلامیہ ص ۱۲۰، امرتسر

ہو رہے تھے، ان کی ساری ذہنی توجہ دوسرے علمی و کلامی مباحث سے ہٹ کر صرف اسی ایک مرکز پر مجتمع ہو گئی تھی، اُن کے پاس نہ اب ابن رشد و غزالی و رازی و بو علی سینا کا گذر ہے، نہ تاریخ و کلام و فلسفہ کا نام ہے شب و روز ہیں، اور کتب احادیث و سیرت کا مطالعہ، تعلیماتِ نبوی کی ترتیب، اخلاقِ نبوی کی تحریر، سوانح نبوی کی تلاش اور سیرتِ نبوی کی نادر کتابوں کی جستجو، جہاں بیٹھتے کھری چارپائی ہو یا چٹائی ہو، ہر طرف حدیث کی کتابوں اور سیرت کے نسخوں کا ڈھیر ہوتا، اور ان ہی درباریوں کی ہم نشینی میں اُن کا سارا وقت گذر جاتا اور خوش ہوتے کہ اب وہ ہیں اور دربارِ رسالت کا آستانہ" (مکاتیب اوّل عبدالحکیم ۳) چنانچہ سوتے جاگتے، چلتے پھرتے یہی ایک خیال ان پر چھا رہا تھا، یہی ان کی مجلس کی گفتگو تھی، اسی کے لئے خط و کتابت تھی، اس زمانہ سے لیکر اخیر عمر تک ان کے سارے خطوط و مکاتیب کو پڑھ ڈالئے، ان میں تین باتیں آپ کو ملیں گی، ندوہ کی اصلاح، اسلام کی اشاعت و حفاظت، اور سیرتِ نبوی، یہاں تک کہ دم نزع بھی اخیر لفظ جو اُن کی زبان سے نکلا، وہ **سیرت** ہی،

سیرت کی حیثیت اُن کی نظر میں ایک کتاب کی نہ تھی، بلکہ وقت کے علم کلام کی سب سے بڑی ضرورت کا نام ان کی اصطلاح میں سیرت تھا، فرماتے ہیں :۔

"اگلے زمانہ میں سیرت کی ضرورت صرف تاریخ اور واقعہ نگاری کی حیثیت سے تھی، علم کلام سے اس کو واسطہ نہ تھا، لیکن معترضین حال کہتے ہیں، کہ اگر مذہب صرف خدا کے اعتراف کا نام ہے تو بحث یہیں تک رہ جاتی ہے، لیکن جب اقرارِ نبوت بھی جزو مذہب ہے، تو یہ بحث پیش آتی ہے کہ جو شخص حاملِ وحی اور سفیر الٰہی تھا، اس کے حالات، اخلاق اور عادات کیا تھے" (مقدمہ سیرت)

اس بنا پر ان کی اصطلاح میں سیرت کلمۂ اسلام کے دوسرے جز یعنی محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پوری تفسیر و تشریح کا نام تھا، اور یہی ان کی اخیر زندگی کا کارنامہ تھا اور اسی کو وہ سرمایۂ سعادتِ دارین سمجھتے تھے،"

(مکاتیب اوّل حصۂ اضافہ ۲)

کیا ان کے اس کام کی مقبولیت کا اندازہ اس سے نہیں کیا جا سکتا، کہ ادھر اُن کے قلم نے سیرت کی تصنیف کا اعلان کیا، اور ادھر مسلمانون کی زبانون سے بیک دفعہ لبیک کی صدا بلند ہوئی، اور امداد کی نذر لے کر خود ایک والیۂ ملک آگے بڑھی، اور اب جدھر سنو، سیرت سیرت کا لفظ ہر مسلمان کی زبان پر تھا، پھر اس کی دوہری مقبولیت کا نشان دیکھئے، وہ زبان جس مین ان کے اعلان سے پہلے صرف میلادنامہ کی قسم کے رسالون اور ایک آدھ کتاب تواریخ حبیبِ الٰہ کی پرانی طرز کی سیرت کے سوا کوئی ایک کتاب بھی موجود نہ تھی، صرف پیروی کی برکت سے پچیس برس کے اندر سیرتِ پاک کے موضوع پر چھوٹی بڑی ہزارون کتابون کے دفتر سے معمور ہوگئی، اس کوشش مین مقدس علماء بھی شریک ہوگئے نئے تعلیم یافتہ اہلِ قلم بھی، گم کردہ راہ مدعی اسلام فرقے بھی، ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ،

الفاروق

حضرت عمر فاروق کی لائف اور طرزِ حکومت صحابہؓ کے فتوحات، عراق و شام، مصر و ایران کے فتح کے واقعات، حضرت عمرؓ کی سیاست، اخلاق، زہد، عدل، اور اسلام کی عملی تعلیم کا شاندار منظر،

یہ کتاب مولانا شبلی کی بہترین تصنیف سمجھی جاتی ہے، مطبع معارف نے نہایت اہتمام سے اس کا نیا اڈیشن تیار کرایا ہے، جس کے ساتھ دنیاے اسلام کا رنگین نقشہ بھی شامل ہے، طباعت و کاغذ نہایت عمدہ قیمت سے، ۳۱۲ صفحے،

سیرۃ النعمان

امام ابوحنیفہ کی سوانح عمری اور ان کے اجتہادات، اور مسائل فقہ حنفی کی تاریخ، اور اسکی تدوین کے حالات، فقہ حنفی کی خصوصیات، علم حدیث، علم فقہ کی تاریخ، اور اسلامی قانون پر تبصرہ، قیمت :- ۱۲؍ ضخامت :- ۲۴۲ صفحے، مطبوعہ معارف پریس،

"منیجر"

۷۸۶

فہرست مضامین

حیاتِ شبلی

تصنیف کا آغاز

(۱۸۸۷ء)

۱۷۰ - ۲۱۹

سفرنامہ کلیات اور رسائل

۲۱۹ - ۲۳۰

دار العلوم کی معتمدی

۴۱۲ - ۴۳۷

الندوہ

۱۹۰۴ء - ۱۹۱۲ء

۴۳۷ - ۴۴۴

مذہبی اور قومی کام
۵۳۶ - ۵۸۵

سیاسیات
۵۸۵ - ۶۳۶

ندوۃ العلماء میں مولانا کی مخالفت اور معتمدی سے استعفا
۶۳۶ - ۶۶۷

فہرست رجال حواشی

اطلاع

رحمتِ عالم ہندی ترجمہ

مولانا سید سلیمان صاحب ندوی کی مقبول عام تصنیف رحمتِ عالم کے ہندی ترجمہ کی تحریک ایک عرصہ سے جاری تھی، چنانچہ ملک کے بعض نامور اصحابِ خیر نے اس کارِ خیر میں عملی حصہ بھی لیا تھا، لیکن ترجمہ کے لئے ایک ایسے اہلِ قلم کی ضرورت تھی، جو ہندی زبان وادب کی واقفیت کے ساتھ ساتھ مسلمان بھی ہو، خدا کا شکر ہے، اس خدمت کی سعادت ایک مسلمان نوجوان کے حصہ مین آئی چنانچہ اب اوس کا ہندی ترجمہ نہایت صاف وسلیس زبان مین مکمل ہوکر چھپ گیا ہے، مترجم نے کوشش کی ہے کہ ترجمہ میں اصل کتاب کی پوری روح باقی رہے،

قیمت فی نسخہ :- ۸؍، ضخامت ۲۰۷ صفحے،

"منیجر"

استفسار وجواب

سیرۃ النبیؐ کی تکمیل، رجوع کئے ہوئے مسائل

اور

دو قادیانی وسوسوں کے جوابات

جناب سید وجاہت حسین صاحب
محلہ چک سکین ڈاک خانہ سوجگڑہا ضلع مونگیر } مولانا المکرم دام فیوضہ،

السلام علیکم ورحمۃ اللہ، ذیل میں چند گذارشات پیش ہین، براہِ کرم ان کے جواب سے سرفراز فرمایا جائے، بیحد ممنون ہونگا،

(۱) ادھر معارف کے شذرات دیکھتا ہون اور غم ہوتا ہے کہ سیرۃ النبی کے چھپنے کی کوئی خبر نہیں دیجاتی، مولانا آپ براہِ کرم جملہ مشاغل ترک فرماکر سیرۃ النبی کی جملہ باقی جلدین مکمل فرمادین، برا نہ مانین، دست بستہ عرض ہے، کہ اگر خدانخواستہ آپنے اس کو نامکمل چھوڑ دیا، تو آپ کا یہ کارنامہ نامکمل ہی رہ جائیگا، مین بھی بوڑھا ہون، چھیاسٹھ سال کی عمر ہے، دلی خواہش ہو کہ آپ کے ہاتھون سے سیرۃ النبی کی بقیہ جلدون کی تکمیل دیکھ لون، اور پڑھ لون، بعدازان جب بھی موت آے، مضائقہ نہیں، ورنہ یہ قلق دل مین لیکر اس دنیا سے جاؤن گا،

(۲) معارف کے جنوری نمبر کے شذرات سے معلوم ہوا کہ اب آپ معراج بحالتِ بیداری اور

مجسم ہونے کے قائل ہوئے، اور سیرۃ نبوی کے دوسرے اڈیشن مین تصحیح کردی ہے، نیز فنائے نار کے
متعلق بھی اس مین تصحیح کی گئی ہے، مگر غور فرمایا جائے، کہ ہمارے ایسے جو خریدار پہلے اڈیشن کے ہین
وہ اس رجوع و تصحیح سے کیونکر مستفید ہوسکتے ہین، بجز اس کے کہ جن امور کا اضافہ فرمایا گیا ہے ان کو
علحدہ چھاپ کر شائع کردیا جائے، کہ پہلے اڈیشن کے خریدار اس جز کو خرید کر اپنی اپنی کتاب کے
معلوم صفحون پر چسپان کرین اور آپ کے رجوع کا علم ہر خریدار تک پہنچ جائے،

(۳) قادیانی آیت کلام پاک وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّى نَبْعَثَ رَسُولًا سے نبوت کا جاری رہنا بتاتے
ہین، یعنی ختم نبوت نہیں ہوئی، بلکہ جاری ہے،

(۴) قادیانی یہ بھی کہتے ہین، کہ جب قرآن کریم نے گالی گلوچ خود استعمال کیا ہے (نعوذ باللہ)
تو مرزا غلام احمد صاحب نے اگر کسی کو گالی دی تو کیا برا کیا؟ ان کا یہ عمل قرآن مجید کی تعلیم کے خلاف
کیون متصور ہو؟ اور اس کلام کے ثبوت مین وہ سورۂ قلم کی وہ آیات پیش کرتے ہین، جو لفظ
زنیم پر ختم ہوتی ہین؛

معارف:۔ محترمی زاد مجدکم، السلام علیکم

آپ کے سوالون کے جوابات ذیل مین پیش ہین:۔

سیرۃ النبی کی تکمیل

(۱) دعا فرمائین کہ مصنف کی زندگی مین سیرۃ النبی کی تدوین کا مقدس سلسلہ اختتام پذیر ہو، اللہ تعالیٰ
سے امید ہے کہ انشاء اللہ بقیہ جلدین بھی تکمیل کو پہنچ جائین گی،

رجوع کئے ہوئے مسائل کی اشاعت

(۲) سیرۃ مین لکھے ہوئے جن مسائل وعقائد سے رجوع کیا گیا ہے، حسب مشورہ ان کی تصحیح دفتر کے
موجودہ وقت نسخون مین کئی سال ہوئے کہ اسی وقت کردی گئی، انشاء اللہ آیندہ اس کے لئے یہ صورت

اختیار کی جائیگی، کہ آیندہ جو نئی جلد شائع ہو، اس کے ساتھ ایک ضمیمہ لگا دیا جائے، اس طرح دوسرے
اڈیشنون مین جو تصحیح و رجوع ہوا ہو، وہ سب اس ضمیمہ مین منسلک ہوجائین گے، اور قدیم اڈیشنون کے
خریدارون کے پاس بھی پہونچ جائین گے، کہ وہ بہرحال اپنے سلسلہ کی تکمیل کے لئے نئی جلدین تو خریدا کرتے ہین

تکذیب بالانبیاء کا عذاب

(۳) قادیانیون کا یہ پیدا کردہ وسوسہ صحیح نہین، اس آیت پاک کے معنی یہ ہین، کہ انبیائے کرام
کی تکذیب کرنے کا عذاب اعلان نبوت سے پہلے نہیں ہوتا، نہ یہ کہ ہر وہ عذاب جو دنیا پر طاری ہو، وہ
نعوذ باللہ ایک نئے نبی کے ظہور کو مستلزم ہو جائے، بلکہ اس آیت پاک سے جو کچھ ظاہر ہے، وہ یہ کہ نبوت
محمدی ظاہر ہو چکی، نبی آچکا، اب اُس وقت سے لیکر تا قیامت مکذبین معذب ہون گے، غرض ہر نبی کی تکذیب
پر بالآخر عذاب آنا ضرور ہے، لیکن ہر نئے عذاب کے وقت نئے نبی کا آنا ضروری نہین، یہ الٹی گنگا ہے جو بہائی جاتی ہے

کیا وحی الٰہی مین نعوذ باللہ گالی گلوچ ہے

(۴) قرآن مجید مین نعوذ باللہ گالی ہو، یہ صریح بہتان ہے، اس مین کوئی گالی گلوچ نہین، بلکہ واقعات
کا اظہار ہے، جس آیت کریمہ کو قادیانی ثبوت مین پیش کرتے ہین، وہ مع ترجمہ حسب ذیل ہے:۔

وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ هَمَّازٍ
مَّشَّاءٍ بِنَمِيمٍ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ
عُتُلٍّ بَعْدَ ذَٰلِكَ زَنِيمٍ
(قلم-۱)

آپ کسی ایسے شخص کا کہنا نہ مانین جو بہت
قسمین کھانے والا ہو، بے وقعت ہو، طعنہ
دینے والا ہو، چغلیاں لگاتا پھرتا ہو، نیک
کام سے روکنے والا ہو، حد سے گذرنے والا ہو
گناہون کا کرنے والا ہو، سخت مزاج ہو
اسکے علاوہ اپنے خاندان کے علاوہ دوسرے خاندان
مین منسوب ہو،

اس مین سخت تر لفظ "زنیم" کو کہا جاسکتا ہے، "زنیم" کے معنی ہین :-

ای المنتسب الی قوم هو معلق	یعنی جو کوئی کسی قوم کی طرف منسوب ہو،
بهم لا منهم (مفردات راغب	اوس سے اگرچہ متعلق ہو، لیکن اوس مین سے نہ ہو،

ص ۲۱۴)

اب یہ دیکھئے کہ یہ اوصاف جن لوگون کے بیان کئے گئے ہین، وہ واقعی ان کے حامل تھے یا نعوذ باللہ جذبۂ عناد مین ایسا کہا گیا ہے، روایات شاہد ہین کہ ان آیاتِ پاک مین جن لوگون کا تذکرہ آیا ہے، وہ بعینہٖ انہی اوصاف کے تھے، منجملہ ان کے ایک شخص اسود بن عبدیغوث زہری تھا، وہ بنوزہرہ کی طرف منسوب تھا، حالانکہ اس قبیلہ سے اس کا تعلق نہ تھا، اسی طرح اخنس بن شریق دراصل ثقفی تھا، مگر بنوزہرہ کے حلیف ہونے کی وجہ سے اسی جماعت سے سمجھا جاتا تھا (تفسیر ابن جریر جلد ۲۹ ص ۱۵) تو کیا اس کو لغتہً وواقعتہً اگر "زنیم" منسوب بہ طرف قبیلۂ غیر کہا گیا تو کیا نعوذ باللہ اس کو گالی سے تعبیر کیا جائے گا؟

اس لئے بطور اظہار واقعہ آنحضرت صلعم سے کہا گیا، کہ جو لوگ ان اوصاف کے ہین اُن سے لگاؤ نہ رکھیں، ان کی باتون مین نہ آئین، نہ یہ کہ نعوذ باللہ چونکہ وہ لوگ ایمان نہ لائے، اس لئے وہ لوگ ایسے ہین اور ویسے، اگر نعوذ باللہ یہ ہوتا تو اس کو گالی گلوج سے تعبیر کرسکتے تھے، ایسی گل فشانیون کا اندازہ آپ کو قادیانی لٹریچر کے مطالعہ سے ہوسکتا ہے، قادیانی لٹریچر کے ان ہفوات کو آیات قرآنی کے مماثل کہنا، یہ بڑی نادانی اور سخت گستاخی ہے،

"س"

دولتِ عثمانیہ جلد دوم

سلطنتِ عثمانیہ کے عروج وزوال کی تاریخ اور اس کے نظامی اور تمدنی کارنامون کی تفصیل از محمود ثانی ۱۲۲۳ھ ۱۸۰۸ء تا جنگ عظیم ۱۳۳۷ھ ۱۹۱۹ء، قیمت صہ ضخامت: ۶۸۰ صفحے،

"منیجر"

ادبیات

مقدمہ

حیاتِ شبلی

از جناب یحییٰ اعظمی

کی رقم خامۂ سید نے حیاتِ اُستاذ ... منتظر جس کے تھے سب ہند سے تا مفرِ حجاز

سیرتِ سرورِ کونین سے فارغ ہوکر ... اِس صحیفہ کا بہ صد شوق ہوا تھا آغاز

للہ الحمد ہم این کار بہ پایان برسید ... زیبِ قرطاس ہے شبلی کا ہر اک نقش طراز

یہ بھی خود کلکِ سلیمان کا ہر اک نقشِ بدیع ... جس طرح "سیرتِ سرکار" ہے اس کا اعجاز

دیکھنے کے لئے خود بانیٔ سیرت کی حیات ... دیدۂ شوقِ ملائک بھی عقیدت سے ہے باز

دیر سے منتظرِ دید تھیں آنکھیں اُن کی ... حرزِ جان کیوں نہ بنا ئین اِسے اربابِ نیاز

کارنامہ ہے یہ اُس نامورِ دوران کا ... علم وفن کے لئے جان بخش تھا جس کا اعجاز

ہے یہ اوس نکتہ ورِ عصر کی تاریخِ حیات ... ہند میں ربع صدی تک رہا جو نکتہ طراز

جس نے عالم میں معانی کا کیا رتبہ فزون ... دہر میں جس نے معارف کا کیا پایہ فراز

عہد کا اپنے وہ ہم پایۂ رازی جس نے ... اہلِ تحقیق پہ کھولا درِ گنجینۂ راز

اُس کی تحقیق کے آئین تھے زمانہ سے الگ ... اُس کی تحریر کا دنیا سے جدا تھا انداز

شرحِ صد عقدۂ دشوار تھی اُسکی تفصیل	بسطِ صد دفترِ اسرار تھا اُس کا ایجاز
نظر اوس کی تھی رہ و رسمِ کہن سے آزاد	ہنر اس کا تھا زمانہ کے ہنر سے ممتاز
جس قدر اوس کے زمانہ کے تھے آداب علوم	اشہبِ خامہ تھا ہر راہ میں گرمِ تگ و تاز
خوابگہ اوس کی کہ ہے دہر میں سرچشمۂ فیض	آج بھی اہلِ جہان کے لئے ہے علم نواز
اب بھی ہے جلوہ دہِ مسندِ شبلی صد شکر	ذاتِ سید کہ ہے اُستاد کا سرمایۂ ناز
اس صحیفہ پہ عجب کیا جو چلی آتی ہے	مرقدِ پاک سے اُحسنت کی پیہم آواز

روحِ اُستاد ہے یون زمزمہ پردازِ دعا

اے خدا عمرِ سُلیمان بہ جہاں باد دراز

قطعہ

از

حکیم الشعراء امجد حیدرآبادی

رکھتے ہو سمجھ تو رازِ فطرت سمجھو	اے حق طلبو! اپنی حقیقت سمجھو،
اس غیر پسند نفس پر جور کرو	جتنا ممکن ہو، آپ میں غور کرو
تم آپ ہو برق، طور کیوں جاتے ہو	تم خود ہو قریب، دور کیوں جاتے ہو
رستہ ہے یہی کہ اپنے پیچھے ہو لو	ہے لعل اسی میں، اپنی گٹھری کھولو

کچھ عرش سے بھی پرے گذر جاتے ہین

جس وقت، ہم آپ مین اتر جاتے ہین!

مطبوعاتِ جدیدہ

مجموعۂ مقالاتِ علمیہ شائع کردہ مجلس ادارت حیدرآباد اکیڈمی تقطیع بڑی، ضخامت ۱۰۲ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر، قیمت: ۵ر، پتہ:۔ اکیڈمی مذکور حیدرآباد دکن سے ملے گی،

حیدرآباد اکیڈمی کا تذکرہ اس سے پہلے معارف مین آچکا ہے، اور اس کے ایک مجموعۂ مقالات پر تبصرہ بھی ہوچکا ہے، مذکورۂ بالا کتاب پانچوان مجموعہ ہے، اس مین مختلف علمی مذہبی اور تاریخی موضوعون پر پانچ عالمانہ مقالے ہین "ہندوستان کے اسلامی عہد مین تعلیم وتعلم" مولانا مناظر احسن گیلانی "سیارون پر زندگی کے امکانات" جناب محمد عبدالرحمٰن خان صاحب "فیروز شاہ بہمنی" قاضی عبدالمجید صاحب صدیقی "جاہلیت عرب کے معاشی نظام کا اثر مملکتِ اسلامیہ کے قیام پر" ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب "کامیاب زندگی کا قرآنی تصور" ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب "اقبال کا نظریۂ زمان ومکان" ڈاکٹر رضی الدین صاحب صدیقی "افسانوں اور جانورون کا الکتاب" ڈی ڈی تنڈار کر صاحب یہ سب مقالے اپنے موضوع پر مفید اور پر از معلومات ہین، جناب عبدالرحمٰن خان صاحب اور ڈاکٹر رضی الدین خان صاحب کے مقالے خالص فنی ہین جس سے صرف ہیئت اور سائنس کے واقفکار فائدہ اٹھا سکتے ہین، باقی مقالون سے دوسرے اہلِ علم بھی مستفید ہوسکتے ہین، مولانا مناظر احسن صاحب کا مقالہ ان کی ایک مستقل تصنیف کا ٹکڑا ہے، اور اس غلط بیانی یا غلط فہمی کا شافی جواب ہے، کہ مسلمانون کے دور مین ہندوستان مین محض محدود قسم کا مذہبی نظامِ تعلیم رائج تھا، مولانا نے اس مضمون مین اس دور کے نظامِ تعلیم کے علاوہ عام علمی حالات کے متعلق اتنے متفرق معلومات جمع کردیئے ہین جنکی طرف عام طور سے ذہن بھی منتقل نہیں ہوتا، ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کے مقالہ مین عربون اور قریش کے نظامِ تجارت کے متعلق بہت مفید معلومات ہین، یہ مجموعہ اہلِ علم کے مطالعہ کے لائق ہے،

تعلیمی خطبات جناب ڈاکٹر ذاکر حسین خان صاحب، تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۶۰ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت مجلد ۱۲؍ پتہ :۔ مکتبہ جامعہ دہلی، اور اس کی شاخین لکھنؤ اور بمبئی نمبر ۳،

اس مجوعے مین جناب ڈاکٹر ذاکر حسین خان صاحب کی نو تعلیمی تقریرین ہین، جو انھون نے مختلف تعلیمی جلسون اور کانفرنسون وغیرہ میں کین، ان مین ہندوستان کے موجودہ نظام تعلیم کے نقائص دکھائے گئے ہین، اور صحیح تعلیمی بنیادون پر ہندوستان کی قومی، سیاسی، اقتصادی اور معاشرتی ضروریات کے مطابق مفید قومی نظام تعلیم کا خاکہ پیش کیا گیا ہے، اس خاکہ مین تعلیم کے صحیح نصب العین، اس کے مقاصد، اس کی روح، نصاب تعلیم بچون کی تعلیم و تربیت کے اصول، اساتذہ کے فرائض وغیرہ تعلیم کے تمام بنیادی مسائل پر روشنی ڈالی گئی ہے، ایک خطبہ خاص مسلمانون کی ثانوی تعلیم پر ہے، اس مین مسلمانون کے گذشتہ تعلیمی مقاصد اور ان کی پچاس سالہ تعلیمی جدوجہد کا جائزہ لیا گیا ہے، اور تعلیم کے اصلی نصب العین سے اس کی دوری اور ناکامی دکھا کر بڑے اعتدال و توازن کے ساتھ مذہبی اور قومی نقطۂ نظر سے اس مین تبدیلی کی جانب توجہ دلائی گئی ہے، اور مسلمانون کی تعلیم کے حقیقی مقاصد کو پیش کیا گیا ہے، کاشی ودیاپیٹھ کی تقریر مین جس خوبی اور صفائی کے ساتھ مسلمانون کے مذہبی اور تمدنی اقتضاء کے مطابق انکی انفرادی تعلیمی ضروریات کو پیش کیا گیا ہے، وہ ہندو مسلمانون کی مشترکہ قومیت اور مشترکہ نظامِ تعلیم کے ناعاقبت اندیش داعیون کے غور کے لائق ہے، طب کی تقریر مین ڈاکٹر صاحب نے فنِ طب کی واقفیت سے برأت ظاہر کی ہے، لیکن طب جدید و قدیم کی تاریخ پر انکا ماہرانہ تبصرہ تو کچھ اور غمازی کر رہا ہے، یہ مجموعہ فنِ تعلیم اور قومی تعلیم دونون پہلوؤن سے ہندوستان کے آیندہ نظام تعلیم کا نہایت مفید بنیادی خاکہ ہے، اور اس قابل ہے کہ ہمارے ماہرینِ تعلیم اس پر غور فرمائین، زبان سادہ مگر نہایت شیرین، اور انداز بیان اتنا دلچسپ ہے، کہ موضوع کی خشکی لطفِ مطالعہ مین خلل انداز نہیں ہوتی،

طبیعیاتی کائنات :۔ جناب سید محمد علی خان پروفیسر طبیعیات نظام کالج تقطیع چھوٹی ضخامت ۶۴ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت مرقوم نہیں، پتہ ادارہ ادبیات اردو خیرت آباد حیدرآباد دکن،

لائق مؤلف نے اس رسالہ مین کائنات کے عناصر اور ان کے حالات پر فنِ طبیعیات کی رو سے روشنی ڈالی ہے، اور کواکب، حرارت، مادۂ نور، مقناطیسی برقی ایتھر، آواز، شعاعون کے اقسام اور جوہر فرد وغیرہ کائنات مین جتنے عناصر اور عوامل کارفرما ہین، ان کے حالات، ان کے اکتشافات کی تاریخ اور کائنات مین ان کے عمل کی نیرنگیون کو مختصر الفاظ میں لکھا ہے، یہ رسالہ خالص فنی ہے اور سائنس کے ابتدائی درجون کے طلبہ کیلئے مفید ہے،

زبدۃ السیرۃ النبویہ مؤلفہ جناب مولوی عماد الدین صاحب انصاری انسپکٹر، اسلامی مکاتیب جالندھر، تقطیع چھوٹی، ضخامت ۴۸ صفحے، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر، قیمت معلوم نہین، پتہ :۔ مجلس نظارۃ معارف قرآنیہ جالندھر پنجاب،

سیرۃ نبوی پر عربی زبان مین یہ ایک مختصر کتاب ہے، اس مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے لیکر وفات تک کے مختصر حالات لکھے گئے ہین، آخر مین خلق نبوی کے چند سبق آموز واقعات ہین، سیرت کے واقعات مستند اور زبان آسان و سلیس ہے، عربی زبان کے مبتدیون کے لئے رسالہ مفید ہے،

بچون کی سیر الصحابہ جناب الیاس احمد خان صاحب مجیبی تقطیع بڑی کاغذ کتابت وطباعت بہتر، قیمت غالباً دو دو آنے فی رسالہ ہو گی، پتہ :۔ الیاس احمد خان صاحب مجیبی بچون کا بک ڈپو دہلی،

مصنف الصبیان جناب الیاس احمد صاحب مجیبی نے دار المصنفین کی سیر الصحابہ سے بچون کے لئے ایک مختصر اور آسان سیر الصحابہ کا سلسلہ شروع کیا ہے، اور اب تک کئی رسالے لکھ چکے ہین، ہمارے سامنے اس سلسلہ کے آٹھ رسالے ہین، دو مین حضرت علی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے حالات ہین، اور پانچ مین دوسرے اکابر مہاجر و انصار صحابہ رضوان اللہ علیہم کے اور ایک مین حضرت عمر بن عبد العزیز کے حالات ہین، بچون کے لئے یہ رسالے مفید ہین، ان سے مذہبی و اخلاقی سبق بھی ملتا ہے، اور اسلامی تاریخ سے بھی آگاہی ہو جاتی ہے،

سلاسل جناب جان نثار حسین صاحب اختر تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۲۸ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر،

قیمت مجلد عہر، پتہ: مکتبہ خانہ علم و ادب دہلی،

سلاسل جناب جاں نثار حسین صاحب اختر کی متغزلانہ (رومانی) اور انقلابی نظموں کا مجموعہ ہے، نوجوان شعرا میں مصنف میں شاعری کی اچھی صلاحیت ہے اور وہ رومانی نظمیں خوب کہتے ہیں لیکن شاعری کے موجودہ رجحان کو دیکھ کر انھیں بھی انقلابی شاعر بننا پڑا، لیکن یہ رنگ ان کا فطری نہیں ہے، بلکہ اس کو وہ اپنے اوپر طاری کر رہے ہیں، جو ان کی فطری صلاحیت کے سراسر خلاف ہے، ہر شاعر کے لئے انقلابی ہونا ضروری نہیں ہے، اور نہ اس پر کمال کا انحصار ہے، بزم کا غزل سرا کبھی رزم کا اچھا رجز خوان نہیں ہو سکتا، اسی طرح رزم کا شاعر بزم کا نوا سنج نہیں بن سکتا، فردوسی کے متعلق یہ لطیفہ تذکروں میں ہے کہ جب اوس نے حضرت یوسف اور زلیخا کی داستان کو نظم کرنا چاہا تو اس کے قلم سے بے اختیار ع بغرید یوسف دگر بار زار، نکل گیا، اس لئے ہمارا مشورہ ہے، کہ مصنف انقلابی شاعری کی دھن میں اپنے اصلی اور فطری رنگ کو برباد نہ کریں، ان میں ادب و شاعری کا صحیح مذاق موجود ہے اسلئے انقلابی شاعری میں ان کے بہکنے کا خطرہ کم ہے، لیکن اسکے لئے جس آتش نفسی کی ضرورت ہے، ان کی رنگین نوائی اسکی متحمل نہیں ہو سکتی، جس کا ثبوت انکی انقلابی نظمیں ہیں، گو ادبی حیثیت سے ان میں کوئی نقص نہیں ہے، لیکن ان میں انقلاب کی شورش انگیزی کے بجائے وہی غزل کی رنگینی اور الفاظ کا ترنم نظر آتا ہے،

آئینہ مصحف از جناب عبدالسمیع خان صاحب شاہجہانپوری، تقطیع چھوٹی ضخامت ۰۰ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر، قیمت مرقوم نہیں، پتہ: عبدالسمیع خان پوری نمبر ۷ انجمن اسلام بمبئی و علیہ بک ڈپو و سلطانیہ بک ڈپو بھنڈی بازار بمبئی،

آئینہ مصحف مصنف کے فارسی منظومات کا مجموعہ ہے، کتاب کے شروع میں چند قومی و ملی نظمیں اور آئینہ مصحف کے عنوان کے تحت کلام مجید کے اعجاز و کمالات اس پر عمل کی دعوت اور رموز عشق میں دوسرے مختلف خیالات و جذبات ہیں، رباعیاں ہیں معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے فارسی زبان کے موروثی ترکہ کو محفوظ رکھا ہے، چنانچہ ان نظموں کی زبان خاصی ہے، اس کی صحت پر آقائے محمد حسین نجفی کی تصدیق بھی ثبت ہے،

"م"

جلد ۵۲ ماہ ذی الحجہ سنہ ۱۳۶۲ھ مطابق ماہ دسمبر سنہ ۱۹۴۳ء عدد ۶

مضامین

———•———